لدعوة الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۱	رجب ۱۳۸۵ھ	نومبر ۱۹۶۵ء	شمارہ نمبر ۲

فہرست مضامین

فی پرچہ پچاس پیسے

سالانہ چندہ مبلغ چھ روپے

غیر ممالک سے سالانہ ۱۴ شلنگ

کتابت: اصغر حسن

سمیع الحق (استاد دارالعلوم حقانیہ) طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

(ملکیت دارالعلوم حقانیہ)

شذرات

ایک خبر ہے کہ کمشنر فیملی پلاننگ (خاندانی منصوبہ بندی) نے حیدر آباد میں اپنے ضلعی افسروں کے ایک اجلاس میں اس بات پہ زور دیا کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی تحریک کو عوام میں پوری طرح مقبول کرائیں —— ہم بقول ایک معاصر کے اس بانگ بے ہنگام "پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ ضبط ولادت کی تحریک پر ملک کے سنجیدہ علمی و دینی حلقے ابتداہی سے اظہار ناراضگی کر رہے ہیں، اور برابر اس تحریک کی مضرتوں پر معاشی، اخلاقی اور شرعی و عقلی ہر پہلو سے روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اب تک ڈالی جا رہی ہے۔ طویل مشاہدات و تجربات کی روشنی میں مرتب کردہ اس تحریک کے عقلی و شرعی تجزیہ سے ہمیں کلی اتفاق ہے۔ کہ اس مہم کا براہ راست اثر ہماری معاشرتی زندگی کے اخلاقی قدروں پر ہوگا۔ لذت پرستی اور جنسی بے راہ روی کی ساری رکاوٹیں ختم ہو کر ایک اسلامی ملک میں اخلاقی انار کی فحاشی، بے حیائی اور زناکاری کا شجرۂ خبیثہ خوب پروان چڑھے گا —— ضبط ولادت کی غیر فطری کوششوں سے عورت و مرد کی جسمانی اور نفسیاتی صحت پہ بُرا اثر پڑے گا —— خانگی ذمہ داریوں اور اولاد کی تعلیم و تربیت سے سبکدوشی کے احساس سے نہ صرف شہوانی جذبات میں اضافہ ہوگا بلکہ پورا معاشرہ جو خاندان کے مضبوط و مستحکم رشتوں پہ استوار ہوتا ہے بگڑ جائیگا۔ گھریلو فرائض جن کے نباہنے پہ اولاد ہی ایک فرد کو مجبور کر سکتی ہے، اس سے فرار بہت آسان ہو کر معاشرہ باہمی حقوق سے گریز طلاق و ناچاقی کا شکار ہو کر رہ جائے گا ——

ان لازمی نتائج و خطرات کے علاوہ ایک ایسا منصوبہ جو ہمارے مسلم معاشرہ کے شرعی و معاشی اور اخلاقی اقدار کے کسی پہلو سے بھی جوڑ نہیں کھا رہا۔ موجودہ سنگین حالات میں جو بھارت جیسے عیار سامراج کے مقابلہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں ضروری ہے کہ اس منصوبہ کے اس مہلک پہلو پہ بھی توجہ کی جائے جس کا خمیازہ ساری قوم و ملت کو بھگتنے کا اندیشہ ہے —— اس وقت جب کہ ظاہری اسباب میں ہماری کامیابی کا تمام تر دار و مدار اس ملک کی عددی قوت اور افرادی اضافہ پہ ہے ایسی سکیموں کو زیر بحث لانا بھی قومی خودکشی کے مترادف ہے جن سے تحدید نسل یا نسل کشی

کی حوصلہ افزائی ہو۔ ــــــ یورپ نے جو اس لعنت کا اولین سرچشمہ اور داعی ہے، انیسویں صدی کے آغاز سے اس تحریک کو اپنایا مگر بالآخر اس زوال پذیر تہذیب پر عیاں ہوا کہ قلت آبادی کی اس تحریک نے اگر ایک طرف اسے اخلاق و شرافت سے عاری بنا دیا تو دوسری طرف اس پہ واضح ہوا کہ قلت آبادی کے یہی مساعی اسکی اجتماعی قوت کے اضمحلال اور سیاسی طاقت کے انحطاط کا باعث بن رہے ہیں۔ چنانچہ بعد از خرابی بسیار۔ مغربی اقوام نے اپنا رویہ تبدیل کر لیا۔ فرانس کے مارشل پیٹن نے اسے اپنے ملک کے زوال کا بنیادی سبب قرار دیا۔ برطانیہ کے ایک مشہور مفکر اور ممبر اسمبلی رینڈالف چرچل نے شرح پیدائش کے گرنے کے خطرات سے ملک کو آگاہ کیا۔ یہی حال یورپ کی دیگر اقوام کا ہے۔ فرانس، جرمنی اور اٹلی نے اسقاط حمل اور تحدید نسل کے تمام اقدامات کو سخت ترین جرم قرار دیا۔ بلکہ ملک کی معاشی ترقیات کے متبادل انتظامات کے ساتھ ساتھ افزائش نسل کی سرپرستی کی اور کر رہے ہیں۔ چنانچہ سویڈن وغیرہ میں بچوں کی تعداد بڑھانے والوں پہ ٹیکس کی شرح میں تخفیف کی گئی۔ اس وقت یہی پالیسی امریکہ اور یورپ کی تمام اقوام کی ہے۔ ان پہ بالآخر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ اس ایٹمی دور میں کسی ملک کے استحکام، سیاسی برتری اور بین الاقوامی اہمیت کے اسباب میں کثرت آبادی کا بھی کافی دخل ہے۔ کوریا کی جنگ میں چین نے اور جنگ عظیم میں جاپان نے محض اپنی عددی قوت سے دشمن کے منصوبوں کو بے اثر بنایا۔

آج ہمارے پڑوس میں چین اور روس کو جو سیاسی اقتدار اور تفوق حاصل ہے بالخصوص چین جو اپنی عظیم قوم ہی کے بل بوتے پہ مغربی استبداد کے غرور و گھمنڈ کو چیلنج کر رہا ہے۔ اس میں کثرت آبادی کا بھی بڑا دخل ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممالک اگر ایک طرف ملکی معیشت کی خوشحالی کے لئے قدرت کے عطا کردہ تمام وسائل اور ذرائع کو کام میں لا رہے ہیں تو دوسری طرف آبادی کے لحاظ سے اپنی تفوق اور برتری کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ یہی حال ہمارے عظیم مسلم ملک انڈونیشیا کا ہے۔ ــــــ مغربی ممالک میں تکثیر آبادی کے مساعی کے باوجود مشرقی اقوام اور عالم اسلام کی شرح آبادی کی رفتار کی وجہ سے مغربی اقوام کو اپنی سیاسی قیادت خطرہ میں نظر آ رہی ہے اور مغرب کی کوشش ہے کہ اپنی بین الاقوامی پوزیشن برقرار رکھنے کے لئے اسلامی اور مشرقی ممالک کی شرح اضافہ آبادی کو روکا جا سکے اور ان ممالک میں تحدید نسل اور ضبط ولادت کی تحریک پروان چڑھا کر انہیں اپنی موت آپ مار دیا جائے۔ ادھر ہماری فریب خوردگی کا یہ عالم کہ ؎

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں دام کا
طائروں پہ سحر ہے صیاد کے اقبال کا

ان وجوہات سے تحدید نسل کا مسئلہ صرف اخلاقی اور معاشی یا مذہبی مسئلہ نہیں رہا - بلکہ بین الاقوامی حالات نے اسے پاکستان اور عالم اسلام کیلئے سیاسی اور خالصتاً ایک دفاعی مسئلہ بنا دیا ہے۔ پھر ہمارا ملک جغرافیائی لحاظ سے ایسی پوزیشن میں ہے کہ ہماری چاروں طرف کی آبادی ہم سے تین گنا بلکہ آٹھ گنا تک زیادہ ہے۔ خود بھارت جس کے سامراجی عزائم کو جب تک خاک میں نہ ملا دیا جائے ہم بحفظ بھر اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے۔ وہاں کی آبادی ساڑھے چار گنا زیادہ ہے۔

ایسے حالات میں عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس تحریک کے ڈھنڈورے پیٹنا ربوبیت عامہ اور شان رزاقیت کیلئے چیلنج اور قومی و ملی موت کے مترادف ہے۔ اور اسلامی و قومی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر اس تحریک کی سرپرستی اور اسے قوم میں مقبول بنانے کی دعوت دینا قومی ناعاقبت اندیشی کے سوا کچھ بھی نہیں ہماری دلی خواہش ہے۔ کہ ملک کے حقیقی مفادات کی بناء پر آئندہ ہر اس تحریک، منصوبہ اور اسکیم سے اجتناب کیا جائے جو ہمارے ملی اور قومی مزاج اور تقاضوں سے جوڑ نہ کھائے۔ اور اگر مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید میں ہم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہوں تو حالیہ واقعات سے سبق لیکر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اور ہر اس علمی و عملی اقدام کو سختی سے روک دیا جائے جو ملت مسلمہ کے لئے دینی اور اخلاقی فتنوں کا سامان مہیا کرے جو اسلامی جمہوریہ اور اس کے غیور مسلمانوں کو دینی اقدار اور مجاہدانہ کردار سے دور ہٹانے اور جس سے اس عظیم قوم کی مومنانہ اور مجاہدانہ روح مجروح ہو خواہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک ہو یا عائلی قوانین کی پرفریب شکل یا تجدد، ترقی اور فیشن کے فکر انگیز نام اور یا اسلامی ریسرچ و تحقیق کے نام پر تحریف دین کی تحریکیں ——— ہمارے خیال میں یہی وہ طرز عمل ہے جو ہمارے مستقبل کی تعمیر اور خوشحالی اور ملک کی بقاء و سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ اور یہی وہ طرز حیات ہے جسے حالیہ واقعات کے نتیجہ میں ہمارے قابل اور لائق احترام صدر مملکت محمد ایوب خان نے حسب ذیل الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ:

"یہ تجربات گہرے اور ہمہ گیر ہیں کسی عارضی جوش و خروش کا نتیجہ نہیں اور نہ وقتی اور نہ گذرنے والی باتیں ہیں۔ ان واقعات نے ہمیں زندگی کے ہر میدان کے لئے ایک مستقل طریق عمل بخشا ہے۔ اور یہی در اصل اسلام کا ضابطہ حیات ہے۔ انشاء اللہ اب یہی طریق عمل ہمارے آئندہ طرز فکر و عمل کے لئے مشعل راہ ہوگا۔۔۔"

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع

دیارِ حبیبؐ کی باتیں

مدینہ منورہ سے ایک خط

رفیقِ مکرم مولانا عبداللہ کاکاخیل۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے

ایک تازہ خط کا اقتباس

(موصولہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۵ء)

——— اسی مناسبت سے ہند و پاکستان کی لڑائی کے بارے میں یہاں کے عوام کے تاثرات کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ پاکستان پر ہندوستان کے وحشیانہ حملے کے بعد اب یہاں کے لوگوں میں ہندوستان کے خلاف انتہائی غم و غصہ اور شدید نفرت کے جذبات پائے جارہے ہیں۔ پاکستان کے ساتھ انکی ہمدردیوں میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔ مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور ملک کی دوسری تمام مساجد میں پاکستان کی کامیابی کیلئے دعاؤں کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ملک کے طول و عرض میں پاکستان کی امداد کیلئے عوام چندے اکٹھے کر رہے ہیں، جس میں تاجر، صنعتکار اور ملازم پیشہ غرض یہ کہ ہر طبقہ کے لوگ حصہ لے رہے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے ملک کے مختلف شہروں میں کرکٹ اور فٹ بال وغیرہ کے کھیل بھی کھیلے گئے ہیں۔ ان میچوں پر حاصل شدہ رقم پاکستان کو دی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ یہاں کے عوام میں اتنا ہی جوش و خروش پایا جاتا ہے۔ جو کہ ہم اپنے ہاں کے عوام میں دیکھ کر آئے ہیں ———

یہاں کے اخبارات نے پاکستانی فوج کی خوب تعریفیں کی ہیں۔ یہاں کے ایک روزنامہ "عکاظ" نے لکھا ہے کہ دنیا بھر کے مبصرین اس پر ناطق ہیں۔ کہ پاکستان کی فضائیہ ہندوستان کی فضائیہ سے کہیں زیادہ بہتر ہے ———

پاکستان کی نمایاں فتح اور ہندوستان کی فاش شکستوں کا راز پوری دنیا پر فاش ہوچکا ہے۔ جس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے۔ کہ جامعہ میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ایشیا، افریقہ اور یورپ کے پچاس سے زائد ملکوں کے طالب علم زیرِ تعلیم ہیں۔ یہ طالب علم چھٹیاں اپنے ملکوں میں گذارنے کے بعد اب واپس جامعہ پہنچ رہے ہیں، ان میں سے ہر ایک طالب علم پہلی ہی ملاقات میں سب سے

بقیہ صفحہ ۲۳ پر

پیغامات و دعوات

خداوند کریم کا بے پایاں فضل و کرم ہے کہ اس نے "الحق" کے پہلے ہی شمارہ کو ملک کے دینی اور علمی حلقوں میں مقبولیت عطا فرمائی اور ملک کے ہر طبقہ نے اسے نظر تحسین سے دیکھا۔ ہمارے بیشمار مخلص احباب، اکابر اور بزرگوں نے نہ صرف مخلصانہ دعاؤں سے نوازا بلکہ اسکی ترویج و فروغ کیلئے ہر طرح تعاون کی آمادگی بھی ظاہر کی اور بے شمار حضرات نے کافی خریدار بھی مہیا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس دینی تبلیغ و دعوت میں تعاون فرمانے کا اجر جزیل عطا فرماوے۔ ہم آئندہ بھی دینی درد رکھنے والے احباب اور بزرگوں کی سرپرستی اور بہترین مشوروں اور علمی مضامین سے نوازتے رہنے کی توقع رکھتے ہیں۔ بعض خطوط و پیغامات کے اقتباسات پیش ہیں۔ (ادارہ)

مولانا عبدالکریم مہتمم نجم المدارس کلاچی ——— ماہنامہ الحق کا اوّلین شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ احباب میں اسکی اشاعت کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوگی۔ خدا کا شکر ہے کہ فتنۂ تحریک کے محاذ پر بینات کراچی قسم کے مجاہدین میں ایک اور شاہسوار کا اضافہ ہوا۔ ہنوز یہ تعداد تشنۂ تکثیر ہے۔ نیز اگر سے باطنیت شکن مضامین کا جلد از جلد عربی اور انگریزی میں اشاعت کا انتظام بھی ہو جائے۔ کثر اللہ سوادکم و شکر مساعیکم وجعلنا من معاونیکم و محبیکم۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم　　　این بس کہ زدور میرسد بانگ جرسم

شمس المشائخ حضرت افغانی دامت برکاتہم۔ مولانا ابوالحسن علی صاحب مدظلہ۔ شیخ التفسیر حضرت لاہوری اور خود حضرت والا جیسے اکابرین کے مضامین کو خراج تحسین پیش کرنا ظاہر ہے۔ کہ نہ صرف یہ کہ ہم جیسے طالب علموں کا کام نہیں ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں لب کشائی ایک نازیبا حرکت اور بدخوئی کے مرادف بھی ہے کیونکہ ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد　　　چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

پس دعا ہے کہ حضرت حق جل مجدہ "الحق" کو دافع باطنیت اپنے معیاری مضامین بالخصوص شمس المفسرین حضرت افغانی مدظلہ کی تفسیری جواہر پاروں کی منفرد سعادت اور تمام نیک عزائم میں شاد کام رکھے۔

ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی۔ (مجلس شوریٰ میں تقریر) ——— "الحق" کی تحریری خدمت اور قلمی جہاد سے انشاء اللہ ہر مہینہ حق کی آواز دارالعلوم سے پھیلتی رہے گی۔ الخ

مولانا محمد مالک کاندھلوی استاد الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار ——— ماہنامہ الحق کی اشاعت واجراء سے بے حد خوشی ہوئی خداوند عالم اس مجلہ مبارکہ کو اشاعت حق کا ذریعہ بنائے اور اپنے فضل وکرم سے بیش از بیش ترقیات سے نوازے۔ انشاء اللہ مزید علم دوست حضرات کو بھی توجہ دلاتا رہوں گا۔

مولانا قاضی عزیز الرحمان قاضی القضاۃ ریاست سوات ——— رسالہ الحق ملا، خدمت دین کیلئے موزوں طریقہ ہے۔ آج کل صرف یہی سلسلہ ہمارے طبقۂ علماء کا جہاد ہے۔ میں تو دارالعلوم کے افراد سے اپنے آپ کو مستقل فرد سمجھ رہا ہوں اور رسالہ کی ترویج کیلئے حتی الامکان سعی جاری رکھوں گا ——— منسلکہ فہرست والے حضرات کے نام پرچہ جاری فرمادیں۔

مولانا ابوالحسین محمد عبدالحلیم قاسمی مہتمم جامعہ حنفیہ ٹمپل روڈ لاہور ——— دارالعلوم کا علمی و دینی ماہنامہ "الحق" دیکھ کر مسرت ہوئی ——— جبکہ ادیان باطلہ کی یلغار ہو رہی ہے تو ضروری ہے کہ دین حق کا علمبردار "الحق" میدان عمل میں آوے تاکہ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا کا مشاہدہ دنیا کو ہو سکے الحق اکابر علماء حق کے افکار عالیہ اور مضامین سے مزین دیکھ کر مزید خوشی ہوئی۔ حق تعالیٰ اسکو جادۂ حق پر قائم و دائم رکھے۔ آمین الحمد للہ الحق ظاہری و معنوی خوبیوں سے مالامال ہے۔

مولانا عبدالحمید سواتی صدر مدرس نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ——— ماشاء اللہ رسالہ اپنی ظاہری اور معنوی خوبیوں کی بناء پر بہت اچھا معلوم ہوا وقت کی اہم اور بنیادی ضرورت تھی۔ خدا کرے کہ دینی اور ملی تقاضوں کو یہ رسالہ پورا کرتا رہے۔ بندہ حقیر کے نام مستقل طور پر رسالہ جاری کرنے کا حکم صادر فرمادیں۔

سید تعظیم الحق کاکاخیل لکچرار گورنمنٹ کالج مردان ——— رسالہ را اُرسیدہ۔ ماشاء اللہ او الحمد للہ خوکہ داغوا رېږئ چہ رسالہ دعامہ شی۔ نو ځکہ تنوّع بہ غواړی۔ او د ښځه بښه شکل داوے۔ چہ د مصر او بیروت ښځه ښځه رسالے جاری کړئ او ترجمے ترکوئ۔ دغلی مضامین لیرہ یا زیات نہ زیات دوہ۔ یو دروند علمی مضمون او نور سپک سپک د اسلام او د عالم اسلام متعلق معلوماتی مضمونونہ۔ دا بہ د دے نہ نہ کیږی۔ چہ د عالم اسلام اعلیٰ اعلیٰ رسالے درتہ رارسی۔ او تاسو تراخستہ کوئ۔ کہ رسالے ——— تاسو راپیدے کولے شوے او ماتہ مو راستوے شوے نو زہ بہ حسب توفیق ——— څہ نہ څہ خدمت بہ سر وا خلم۔

مولانا قاری محمد امین راولپنڈی ——— الحمدللہ دارالعلوم مسلمانوں کی دینی ضروریات کا تصنیف و تالیف تعلیم و تبلیغ ہر لحاظ سے خیال رکھتا ہے۔ آج ہم نے اپنی روح کو تازہ کیا جبکہ دارالعلوم سے نئی چیز ماہنامہ الحق کے نام سے ہمارے سامنے آرہی ہے میری پُرزور اپیل ہے کہ آپ اس کے فروغ و ترویج کے لئے پرجوش توجہات مبذول فرماویں۔ (مجلس شوریٰ میں تقریر)

مولانا میاں محمد جان مہتمم حمایت الاسلام غلجی ——— دارالعلوم سے علمی دینی اور تبلیغی رسالہ جاری ہونے پر بندہ اور تمام ارکین حمایت الاسلام کو بے حد خوشی ہوئی۔ اللہ اسے تاابد جاری رکھے ہم اس کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنے کیلئے تیار ہیں۔

مولانا محمد مجاہد الحسینی فاضل دیوبند نوشہرہ صدر ——— دیرینہ آرزو تھی کہ دارالعلوم حقانیہ کا ایک ترجمان ہو جس کے ذریعہ حق کی آواز دور دور تک پہنچائی جاسکے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آرزو پوری ہوگئی۔ دعا ہے کہ خداوند عالم الحق کو حق کا علمبردار اور ترجمان بنائے جس طرح دارالعلوم پاکستان میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے اسی طرح انشاء اللہ الحق بھی اشاعت حق میں اپنا امتیازی مقام حاصل کرسکے گا۔

مولانا محمد اللہ جان۔ کنوزئی ——— ماہنامہ الحق کی اشاعت سے مطلع ہوکر خوشی کی حد نہ رہی۔ الحق کا اجراء موجودہ دور کی ضروریات کی تکمیل اور وقت کا اہم تقاضا ہے۔ تمام مسلمانوں کیلئے عموماً اور طبقۂ علماء کے لئے خصوصاً اس کا تعاون ضروری ہے۔ باری تعالیٰ دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمادے۔ الحق میں ایک عنوان فقہی مسائل کیلئے مخصوص کرنا بہت مفید ہوگا۔

مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری ویلور۔ مدراس جنوبی ہند ——— ماہنامہ الحق کا اشتہار نظر سے گذرا آپ کی یاد آئی بحمداللہ حضرت اقدس شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کی نسبت کے باعث خدمت دین میں لگا ہوا ہوں۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ معنویت عطا فرمادے اگر آپ الحق روانہ فرماتے رہیں تو ہم لوگوں کو آپ کے احوال و کوائف معلوم ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ "الحق" کو مقبولیت عطا فرماتے۔

مولانا عبدالحکیم۔ مدرسہ فرقانیہ راولپنڈی ——— ماہنامہ الحق دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلا جاء الحق و زھق الباطل۔ دعا ہے کہ رب العلمین دین حق کی اشاعت کا ذریعہ بنائے۔

ڈاکٹر قاضی مولانا فضل منان صاحب عمرزئی و مولانا فضل دیان ——— از حد خوشی ہوئی کہ مادر علمی نے اس پرانی آرزو کو پورا کرلیا۔ خداوند کریم اس علمی دینی رسالہ کو ملک و ملت کیلئے نافع اور مادر علمی کیلئے سرخروئی کا باعث بنائے ——— دلی مبارکباد "الحق" کے اجراء پہ قبول فرمادیں ———

جناب الیس تعلق الحسن سورت ۲ انڈیا ——— ماہنامہ الحق کے اجراء کے اعلان سے بڑی خوشی ہوئی جیسے

نام جاری فرما دیجئے گا۔ زرمبادلہ دیوبند کے پتہ پر بھیج رہا ہوں۔

جناب انعام احمد صاحب سابق کین منیجر شوگر ملز مردان ——— یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ ماہنامہ الحق جناب کی زیر سرپرستی جلوہ گر ہوا ہے۔ یقین ہے کہ انشاء اللہ اس ماہنامہ کی اشاعت سے ہم پسماندہ مسلمانوں کو ایمان افروز روشنی ملے گی۔

مولانا غلام یحییٰ حقانی۔ نزتوپہ چھچھ ——— مدت سے خواہش تھی کہ موجودہ کفر والحاد کے امڈتے ہوئے سیلاب کے زمانہ میں دارالعلوم حقانیہ (جسے مرکزی حیثیت حاصل ہے) کی طرف سے ایک دینی ماہوار رسالہ جاری ہو جس کے ذریعہ اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دئے جائیں۔ اب جب الحق ملا تو بے انتہا مسرت ہوئی اور دیرینہ خواہش پوری ہوئی دعا ہے۔ کہ خداوند کریم الحق کی آواز حق دنیا کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں پہنچا دے۔

حاجی محمود مالا بادی۔ راولپنڈی ——— اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے یہ سعی قبول فرمادے۔ دین کی خدمت اور اس کار خیر میں انشاء اللہ ہمارا ہمیشہ ساتھ رہے گا۔ الحق ہر لحاظ سے مبارکباد کا مستحق ہے۔

جناب مفتی محمد اکبر کین منیجر پریمئر شوگر ملز مردان ——— مزید فروغ اشاعت کیلئے کوشش کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ آپ کا ماہنامہ زیادہ سے زیادہ مقبول ہو سکے۔ دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اس کار خیر میں نیز میرے دیگر مقاصد میں مجھے کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

مولانا عبدالحمید خطیب مسجد شہید بابا بنوں ——— ماہنامہ الحق کی اشاعت کے لئے اکثر علماء واحباب کو جابجا توجہ دلاتا رہتا ہوں۔ انشاء اللہ کافی احباب تیار ہو جائیں گے۔ خداوند عالم اس رسالہ کو کامیاب فرمائے۔ آمین

ماسٹر جمال الدین نائب صدر آل ٹیچرز ایسوسی ایشن بنوں ——— الحق کی تشہیر و ترویج کیلئے پوری کوشش جاری ہے۔ میرا اندازہ ہے۔ کہ انشاء اللہ اگلے مہینہ میں ایک صد رسالے تقسیم ہو سکیں گے۔

صحابہؓ کرام کا مقام
مسلک علمائے دیوبند کی روشنی میں

از قلم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند

کچھ عرصہ قبل حضرت حکیم الاسلام قاری صاحب مدظلہ نے "علمائے دیوبند کے مسلک" کے بارہ میں ایک محققانہ اور جامع مقالہ سپرد قلم فرمایا۔ مسلک کی مزید تنقیح اور جامعیت بنانے کیلئے اسے جماعت کے اہل الرائے اور اہل بصیرت دیگر حضرات کی خدمت میں بھی ارسال کیا گیا تاکہ سب حضرات کے اظہار خیال کے بعد اسے شائع کیا جا سکے۔ اسکی ایک کاپی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کو بھی بھیجی گئی تھی جس میں سے صحابہ کرام کے بارہ میں علمائے دیوبند کا موقف و مسلک والا حصہ شریک اشاعت ہے۔ اس وقت جب کہ ملک میں ایک خاص مکتب فکر کے قائد نے صحابہؓ کرام کے بارہ میں ایسی قلمی سرگرمیاں شروع کی ہیں جو سراسر اہل سنت والجماعۃ اور سواد اعظم کے مسلک کے منافی ہیں، مقالہ کا یہ حصہ بہت مفید ثابت ہوگا، تاکہ اس کے بارہ میں مسلک علماء دیوبند سامنے آ سکے۔ صحابہ کرام کی تعدیل کے بارہ میں مفصل کلام انشاء اللہ آئندہ شماروں میں کیا جائے گا۔ (ادارہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقدس ترین طبقہ نبی کے بلا واسطہ فیض یافتوں اور تربیت یافتہ لوگوں کا ہے جن کا اصطلاحی لقب صحابۂ کرام ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ خدا اور رسول نے من حیث الطبقہ اگر کسی گروہ کی تقدیس کی ہے تو وہ صرف صحابہؓ کا طبقہ ہے۔ ان کے سوا کسی طبقہ کو من حیث الطبقہ مقدس نہیں فرمایا کہ طبقہ کے طبقہ کی تقدیس کی ہو۔ مگر اس پورے کے پورے طبقہ کو راشد و مرشد۔ راضی و مرضی۔ تقی القلب۔ پاک باطن۔

مستمر الطاعۃ ۔ محسن و صادق اور موعود بالجنۃ فرمایا۔ پھر ان کی عمومی مقبولیت و شہرت کو کسی خاص قرن اور دور کے ساتھ مخصوص اور محدود نہیں رکھا بلکہ عمومی گردانا ۔۔۔ کتب سابقہ میں اُن کے تذکروں کی خبر دیکر بتلایا کہ وہ اگلوں میں بھی جانے پہچانے لوگ تھے۔ اور قرآن کریم میں ان کے مدائح و مناقب کا ذکر کرکے بتلایا کہ وہ پچھلوں میں بھی جانے پہچانے ہیں۔ اور قیامت تک رہیں گے۔ جب تک قرآن رہے گا۔ زبانوں پر، دلوں میں، ہر وقت کی تلاوت میں، پنج وقتہ نمازوں میں، خطبات و موعظت میں، مسجدوں اور معبدوں میں، مدرسوں اور خانقاہوں میں، خلوتوں اور جلوتوں میں، غرض جہاں بھی اور جب بھی اور جس نوعیت سے بھی قرآن پڑھا جاتا رہے گا وہیں اُن کا چرچا اور امت پر اُن کا تفوق نمایاں ہوتا رہے گا۔ پس بلحاظِ مدح و ثناء وہ امت میں یکتا اور بے نظیر ہیں۔ جن کی نظیر انبیاء کے بعد اول و آخر نہیں ملتی۔ مگر علماء دیوبند نے اپنے اس مسلک میں جو صحابہ کی بابت عرض کیا گیا رشتۂ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اور کسی گوشہ سے بھی اس میں افراط و تفریط اور غلو کو آنے نہیں دیا ۔۔۔

مثلاً وہ اس عظمت و جلالت کے معیار سے صحابہ میں تفریق کے قائل نہیں کہ کسی کو لائقِ محبت سمجھیں اور کسی کو معاذ اللہ لائقِ عداوت ۔ کسی کی مدح میں رطب اللسان ہوں اور عیاذاً باللہ کسی کی مذمت میں یا تو انہیں سب و شتم اور قتل و غارت کرنے پر اُتر آئیں اور اُن کا خون بہانے میں بھی کسر نہ چھوڑیں اور یا پھر ان میں سے بعض کو نبوت سے بھی اونچا مقام دینے پر آجائیں، انہیں معصوم سمجھنے لگیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض میں حلول خداوندی ماننے لگیں۔ علماء دیوبند کے مسلک پر یہ سب حضرات مقدسین تقدس کے انتہائی مقام پر ہیں۔ مگر نبی یا خدا نہیں، بلکہ بشریت کی صفات سے متصف لوازم بشریت اور ضروریات بشری کے پابند ہیں۔ مگر عام بشر کی سطح سے بالاتر کچھ غیر معمولی امتیازات بھی رکھتے ہیں۔ جو عام بشر تو بجائے خود ہیں پوری امت کے اولیاء بھی اُن مقامات تک نہیں پہنچ سکے۔ یہی وہ نقطۂ اعتدال ہے۔ جو صحابہ کے بارہ میں علماء دیوبند نے اختیار کیا ہوا ہے۔ اُنکے نزدیک تمام صحابہ شرف صحابیت اور صحابیت کی برگزیدگی میں یکساں ہیں۔ اس لئے محبت و عظمت میں بھی یکساں ہیں۔ البتہ اُن میں باہم فرقِ مراتب بھی ہے۔ تو عظمتِ مراتب میں بھی فرق ہے۔ لیکن یہ فرق چونکہ نفسِ صحابیت کا فرق نہیں اس لئے اس سے نفسِ صحابیت کی محبت و

عقیدت میں بھی فرق نہیں پڑ سکتا۔ پس اس مسلک میں الصحابۃ کلھم عدول ـــ (صحابہ سب کے سب عادل تھے) کا اصول کارفرما ہے۔ جو اس دائرہ میں اہل السنت والجماعۃ کے مسلک کا جو بعینہٖ مسلک علماء دیوبند ہے، اولین سنگ بنیاد ہے ـــ

اسی طرح علماء دیوبند اُن کی اس عمومی عظمت و جلال کی وجہ سے انہیں بلا استثناء نجوم ہدایت مانتے ہیں۔ اور یہ کہ بعد والوں کی نجات ان ہی کے علمی و عملی اتباع کے دائرہ میں محدود ہے۔ لیکن انہیں شارع تسلیم نہیں کرتے کہ حق تشریع ان کے لئے ماننے لگیں اور یہ کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں۔ اور جسے چاہیں حرام بنا دیں۔ ورنہ نبوت اور صحابیت میں فرق باقی نہیں رہ سکتا۔ پس وہ اُمتی تھے۔ مگر نبوت کے مخلص ترین جاں نثار خادم تھے جن کی بدولت دین اپنے پیروں پر کھڑا ہوا اور اس نے دنیا میں قدم جما دیئے۔ اس لئے وہ سب کے سب مجموعی طور پر مخدوم العالم اور خیر الخلائق بعد الانبیاء ہیں۔ ہاں مگر یہ حضرات اس مسلک کی رو سے گو شارع تو نہ تھے۔ مگر فانی فی الشریعت تھے۔ شریعت ان کا اوڑھنا بچھونا بن گئی تھی اور وہ اس میں گم ہو کر اس کے درجہ کمال کے مقام پر آ گئے تھے۔ جو مدارِ اطاعت ہوتا ہے۔ اس لئے علماء دیوبند انہیں شریعت کے بارہ میں عیاذاً باللہ خائن یا متساہل یا بدنیت یا حُبِّ جاہ و مال کا اسیر کہنے کی معصیت میں مبتلا نہیں۔ اُن کے نزدیک یہ سب مقدسینِ دین کی روایت کے راویِ اوّل۔ دینی درایت کے مبصرِ اوّل، دینی مفہومات کے فہیمِ اوّل اور پوری امت کے مربیِ اوّل اور حسبِ فرمودۂ نبوی امت کے حق و باطل کے معیار تھے۔ جن کی رو سے فرقوں کے حق و باطل کا سُراغ لگایا جا سکتا ہے۔ اگر اُن کی محبت و عظمت دل میں ہے اور بلا استثناء ہے تو وہ فرقۂ حقہ کا فرد ہے۔ اور اگر ذرا بھی ان کی عظمت و عقیدت میں کمی یا دل میں اُن کی نسبت سے سوءِ ظن ہے تو اُسی نسبت سے وہ فرقۂ ناجیہ سے الگ ہے۔ پس حق و باطل کے پرکھنے کی پہلی کسوٹی ان کی محبت و عظمت اور اُن کی دیانت اور تقوائے باطن کا اعتراف اور اُن کی نسبت قلبی اذعان و اعتقاد ہے اس لئے جو فرقہ بھی بلا استثناء اُنہیں عدول و متقن مانتا ہے ـــ وہی حسبِ ارشادِ نبوی فرقۂ حقہ ہے۔ اور وہ الحمد للہ اہل السنت والجماعۃ ہیں۔ اور جو ان کے بارہ میں بدگمانی یا بدزبانی کا شکار ہے وہی حقانیت

سے ہٹا ہوا ہے۔ اس لئے شریعت کے باب میں اُن کے بارہ میں کسی ادنیٰ دخل و فصل
کا توہم پورے دین پر سے اعتماد اٹھا دیتا ہے۔ اگر وہ بھی معاذ اللہ دین کے بارہ میں راہ سے
ادھر اُدھر ہٹے ہوئے تھے تو بعد والوں کے لئے راہِ مستقیم پر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا اور پوری امت اوّل سے لیکر آخر تک ناقابلِ اعتبار ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے
حسبِ مسلک علماء دیوبند جہاں وہ منفرداً اپنی اپنی ذوات کے لحاظ سے تقی و نقی اور صفی و وفی
ہیں، وہیں بحیثیت مجموعی امت کی نجات بھی اُن ہی کے اتباع میں منحصر ہے۔ اور وہ بحیثیت
قرن خیر من حیث الطبقہ پوری امت کے لئے نبی کے قائم مقام اور معیارِ حق تھے۔ پس
جیسے نبوت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ حتیٰ کہ ان کا تعامل بھی بعض ائمہ ہدایت
کے یہاں شرعی حجت تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے جذباتی رنگ میں انہیں گھٹانا بڑھانا یا
چڑھانا اور گرانا جس طرح عقل و نقل قبول نہیں کرتی اسی طرح علماء دیوبند کا جامع عقل و نقل
مسلک بھی قبول نہیں کر سکتا۔ علماء دیوبند ان کی غیر معمولی دینی عظمتوں کے پیشِ نظر انہیں سرتاج
اولیا مانتے ہیں۔ مگر اُن کے معصوم ہونے کے قائل نہیں۔ البتہ اُنہیں محفوظ من اللہ مانتے
ہیں۔ جو ولایت کا انتہائی مقام ہے۔ جس میں تقویٰ کی انتہا پر بشاشت ایمان جوہر نفس ہو جاتی ہے۔
اور سنت اللہ کے مطابق صدورِ معصیت عادتاً ناممکن ہو جاتا ہے۔ ذالک اذا خالط
بشاشۃ القلوب۔ اس مقام کے تقاضا سے اُن کا تقویٰ باطن ہمہ وقت اُن کے لئے
مذکر رہتا تھا۔ پس معصوم نہ ہونے کی وجہ سے اُن میں معصیت کا امکان تھا۔ مگر محفوظ من اللہ
ہونے کی وجہ سے اُن میں معصیت کا صدور اور ذنوب کا اقدام نہ تھا۔ پھر اس طبقہ میں یہ
امکانی معصیت کا احتمال بھی بیرونی عوارض یا طبیعت کی حد تک تھا۔ قلبی دواعی کی حد تک
نہ تھا۔ کیونکہ اُن کے قلوب کی تطہیر اور ان کے تقویٰ کے پرکھے پرکھائے ہونے کی شہادت
قرآن دے رہا ہے۔ اس لئے اگر عوام صحابہؓ میں سے کسی سے ابتدائی منزل میں طبعاً کوئی لغزش
سرزد بھی ہوئی تو جیسا کہ وہ قلبی داعیہ یا گناہ کے کسی ملکہ سے جو دل میں جڑ پکڑے ہوئے ہو
سرزد شدہ نہ تھی۔ ایسے ہی اس کا اثر بھی اُن کے قلبی ملکات، احوال یا باطنی تقویٰ تک نہ
پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے ایسی اتفاقی لغزش سے بھی ان کی باطنی بزرگی جس کی خدا نے شہادت
دی ہے۔ متہم نہیں ٹھہر سکتی۔ پس ان مقدسین میں کمالِ زہد و تقویٰ اور کمالِ فراست و بصیرت
کی وجہ سے جذباتِ معصیت مضمحل اور دواعئ طاعت مشتعل تھے۔ معصیت سے وہ ہمہ وقت

بیگانہ تھے، اور طاعتِ حق میں یگانہ۔ ایمان و تقویٰ اُن کے قلوب میں مزیّن اور کفر و فسوق اُن کے باطن میں مبغوض تر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء دیوبند انہیں غیر معصوم کہنے کے باوجود بوجہ محفوظیت دین کے بارہ میں قابل تنقید و تبصرہ نہیں سمجھتے کہ بعد والے انہیں اپنی تنقیدات کا ہدف بنالیں۔ بلکہ ان کی آپس کی باہمی تنقید کو (جس کا انہیں حق تھا) نقل کرنے میں بھی رشتۂ ادب کو ہاتھ سے چھوڑ دینا جائز نہیں سمجھتے چہ جائیکہ اُن کے باہمی تنقید و تبصرہ کے فعل سے امتِ مابعد کو ان پر تنقید کرنے کا حقدار سمجھتے بلکہ اُن کی پاک باطنی اور تقوائے قلب کے منصوص ہو جانے کے بعد دین کے معاملات میں ان کی لغزش تا بحدِ خطا رہ جاتی ہے۔ معصیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے اُن کے مشاجرات اور باہمی نزاعات میں خطاء و صواب کا تقابل ہے۔ حق و باطل یا طاعت و معصیت کا نہیں اور سب جانتے ہیں کہ مجتہد خاطی کو بھی اجر ملتا ہے، نہ کہ زجر۔ پس اُن کے باہمی معاملات میں (جو نیک نیتی اور پاک نفسی پر مبنی تھے۔) حسبِ مسلک علماء دیوبند نہ بدگمانی جائز ہے، نہ بدزبانی۔ یہ توجیہ کا مقام ہے نہ کہ تنقید کا۔ تلک دماءٌ طھّر اللّٰہ عنھا ایدینا فلا نلوّث بھا السنتنا (عمر بن عبد العزیزؒ)

صحابہ کے بعد کوئی طبقہ بحیثیت طبقہ کے مقدس نہیں کہ پورے طبقہ کو پاک باطن اور بلا استثنا عدول کہا جائے لیکن پھر بھی اس امتِ مرحومہ کا کوئی قرن اور کوئی دور مصلحوں، ہادیوں، مجددوں، اور مقدسین سے خالی نہیں رہا۔ اور ائمۂ علوم، ائمۂ ہدایت، اور ائمۂ کمالاتِ ظاہر و باطن کی کمی نہیں رہی۔ علماء دیوبند کے مسلک میں ان تمام جواہر فرد افراد کی عظمت و جلالت یکساں ہے۔ خواہ وہ مجتہد مطلق ائمہ ہوں یا مجتہد فی المذہب۔ راسخین فی العلم ہوں یا ائمۂ فنون۔ محدثین ہوں یا فقہاء۔ عرفا ہوں یا حکماء اسلام سب کی قدر و منزلت ان کے یہاں ضروری ہے۔ کیونکہ ان وارثانِ نبوت میں کوئی طبقہ نسبتِ ایمان و اسلام کا محافظ رہا اور کوئی نسبتِ احسان و عرفان کا۔ بالفاظِ دیگر ایک علمائے ظواہر کا طبقہ رہا ہے۔ اور ایک علمائے بواطن کا اور یہ دونوں طبقے تا قیامِ قیامت اپنے طبعی فرق و تفاوت کے ساتھ باقی رہیں گے۔ اس لئے حسبِ مسلک علماء دیوبند اعتقاد و استفادہ کی یہ اعتدالی صورت بھی ان سب طبقات مابعد کے ساتھ قائم رہے گی۔ فرق اتنا ہے کہ صحابہ کے پورے طبقہ کے ساتھ یہ عظمت یکسانی سے قائم تھی کہ وہ سب کے سب عدول اور متقن ملنے ہوئے تھے۔ لیکن بعد والوں میں متقن بھی ہیں اور غیر متقن بھی۔ اس لئے طبقۂ صحابہ کے بارہ

میں تو موافقت کے سوا کسی مخالفت کا سوال ہی نہ تھا لیکن طبقات مابعد میں چونکہ وہ قرنِ صحابہؓ کی سی خیریت مطلقہ اور خیریت عامّہ قائم نہیں رہی گو جنسِ خیر منقطع بھی نہیں۔ اس لئے ان میں عدول و غیر عدول دونوں قسم کے افراد ہوتے رہے ہیں۔ اس لئے موافقت کے ساتھ مخالفت اور اتفاق کے ساتھ اختلاف کا پہلو بھی قائم رہا مگر علماء دیوبند نے اس موافقت اور مخالفت اور اتفاق و اختلاف کے دونوں ہی پہلوؤں میں رشتۂ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا نہ موافقت میں غلو کیا نہ مخالفت میں۔ نہ کسی کو بے وجہ سامنے رکھ کر اس کے مقابلہ میں مخالفت کا کوئی مستقل محاذ بنایا اور نہ بے وجہ کسی کو گروہی یا فرقہ واری انداز سے اپنا کر اس کی مدح وثناء ہی کو مستقل موضوع قرار دیا۔ شخصیتوں کی عظمت کے اقرار کے ساتھ ان کے صواب کو صواب کہا اور خطاء کو خطاء اور پھر خطاء کا وہ علمی عذر بھی پیش نظر رکھا۔ جو ایک اچھی اور مقدس شخصیت کی خطاء میں پنہاں ہوتا ہے۔ نیز اس خطاء پر اس کی ساری زندگی کو خاطیانہ قرار دینے کی غلطی نہیں کی۔ البتہ اگر یہ اعتذار اُن کی زندگی سے مفہوم نہ ہو سکا تو خطا کو اُچھالنے یا شخصیت کو مطعون کرنے کی بجائے اس خطاء کی حد تک معاملہ خدا کے سپرد کر کے ذہنی یکسوئی پیدا کر لی۔ اُسے خواہ مخواہ ہدف بنا کر شخصیتوں کو مجروح اور مطعون کرنے کی سعی نہیں کی جیسا کہ اربابِ غلو یا اصحابِ غلو یا اہلِ غلو کا طریقہ رہا ہے۔ بالخصوص اس دور پُر فتن میں جس کا خاص امتیازی نشان ہی علم و فہم اور حلم کے بجائے یا غلو کا غلبہ ہے۔ جو حدود شکنی ہے۔ یا علو کا زور ہے جو کبر و نخوت ہے اور یا غلو کا دباؤ ہے جو جہالت کا استیلاء ہے۔ اور یہ تینوں ظلم و جہل کے شعبے ہیں، علم و عدل کے نہیں ——— اور علماء دیوبند کے مسلک کی بنیاد علم و عدل پر ہے جہل و ظلم پر نہیں۔ اس لئے اس میں نہ غلو اور علو ہے اور نہ غلو۔ چنانچہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ ذات بابرکات نبویؐ اور ذواتِ قدسیۂ صحابہؓ کے بارہ میں اس کا مسلک عدل و اعتدال سے پُر اور رعایت حدود پر مبنی ہے غلو و علو پر مبنی نہیں ہے۔

دین کیلئے دل سوزی ——— جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے درپے گر رہی ہیں۔ اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے، اے باشندگانِ زمین آؤ اور جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کر دیں۔ اور جو ڈھے گیا ہے اسکو درست کر دیں۔ یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہو سکتی، سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیئے۔ اے سورج، اے چاند، اور اے دن تم سب آؤ۔ (سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، ملفوظات صفحہ ۲۹۶)

قسط ۲

ضرورتِ وحی

از افاداتِ حضرت محقق العصر علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ
شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

——— (ضبط و ترتیب ادارۂ الحق) ———

۳ — دلیل نوری

تیسری دلیل کا نام دلیل نوری ہے۔ انسان کے اردگرد دو قسم کی چیزیں موجود ہیں۔ ایک چیز عالم محسوسات و مادیات ہے۔ اور دوسرا عالم معقولات و معنویات ہے۔ پہلا عالم عرش سے فرش تک عناصر اربعہ اور ان کے مرکبات، معدنیات، علویات، سفلیات سب کو شامل ہے۔ اور یہ تمام محسوسات ہی ہیں جن کا ادراک ہم بصر سے کر سکتے ہیں۔ دوسرا معقولات و معنویات کا عالم ہے جو بصر سے پوشیدہ ہے۔ اور عالم محسوسات کی اشیاء کی طرح ترکیب اور اجزاء نہیں رکھتا مثلاً ایمانیات، طاعات، معاصی، اخلاق، عقائد۔ یہ سب خالی از مادہ ہیں جن کے اجزاء مادہ سے ترکیب نہیں پاتے اور یہ تمام معقولات کہلاتے ہیں۔ اور ان کو صرف عقل دریافت کر سکتی ہے۔ ان میں سے اجلیٰ محسوسات[1] ہیں۔ اور اخفیٰ معقولات و معنویات ہیں۔ اس لئے محسوسات میں جاہل و عالم کا فرق نہیں۔ بلکہ یہ سب کو معلوم ہو سکتے ہیں، لیکن معقولات کے عالم صرف عقلاء و علماء ہیں۔ جب یہ حال ہوا تو ہم دیکھتے ہیں کہ مبصرات[2] کو جب ہم دریافت کرتے ہیں۔ اس کے لئے سامانِ نور کی ضرورت ہے۔ ایک نور داخلی جس کا نام نور بصر ہے۔ چنانچہ جو لوگ نور داخلی سے محروم

---

[1] یعنی جن کو حواس سے پہچانا جا سکے۔　[2] جو آنکھوں سے دیکھی جا سکیں۔

ہیں وہ مبصرات کو نہیں جان سکتے ، جیسے اندھے۔ جب تک ان کو کوئی دوسرا نہ بتلائے کیونکہ ان کے پاس نورِ بصر نہیں۔ اس نورِ بصر کے علاوہ مبصرات کی دریافت کے لئے ایک اور نور کی بھی ضرورت ہے جس کا نام نورِ خارجی ہے۔ مثلاً آفتاب۔ یا بجلی وغیرہ۔ نورِ آفتاب نور کامل ہے اور باقی یا تو اس سے مستفاد ہیں جسے قائم مقام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ نورِ خارجی نہ ہو۔ پھر بھی مبصرات کا علم نہیں ہو سکتا۔ اندھیری رات میں مبصرات کا علم نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ نورِ داخلی موجود رہتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ معرفت مبصرات دو نوروں پر موقوف ہے ۔

عصرِ حاضر الحاد و زندقہ

انسان کی رہنمائی کیلئے عقل کے علاوہ نورِ وحی کی ضرورت

کا دور ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے۔ کہ انسان کی رہنمائی کے لئے صرف عقل ہی کافی ہے۔ دین اور مذہب مولوی کی من گھڑت ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعی غلط ہے۔ کیونکہ جو معاملہ قدرت کا محسوسات و مبصرات کے ساتھ ہے، وہی معاملہ بعینہٖ معنویات کے ساتھ ہے اور جو دستورِ الٰہی مادیات میں چلتا ہے وہی روحانیات میں بھی چل رہا ہے۔ یہاں بھی نورِ وحی کی ضرورت ہے۔ دو نوروں کا ہونا یہاں بھی ضروری ہے۔ ایک داخلی اور دوم خارجی۔ داخلی کا نام نورِ بصیرت ہے اور خارجی کا نام وحی الٰہی ہے جس طرح محسوسات اور مبصرات میں داخلی نور ارضی ہے۔ اور خارجی نور سماوی اور شمسی ہے۔ یہی حال معنویات کا بھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :

واتبعوا النور الذی انزل معہ الآیۃ۔ — اور تم اس نور کی پیروی کرو جو حضور کے ساتھ نازل کیا گیا۔

یہ نور عالم بالا سے یہاں آتا ہے۔ اور صرف اس لئے کہ محض عقل کی روشنی انسانی ہدایت کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ خارجی نور یعنی وحی الٰہی سے معلوم کیا جاتا ہے۔ کہ انسانی فلاح و نجات کیلئے کون کون سے اعمال نافع ہیں۔ اور کون کون سے مضر۔ اخلاق و عقائد میں بھی تنہا عقل کافی نہیں جب تک ایمانی نور وحی الٰہی کی روشنی نہ ہو جو نبی ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے صاحبِ نور کے لئے سراجاً منیراً[1] کے الفاظ مستعمل کئے گئے ہیں۔ قرآن اور صاحبِ قرآن دونوں

---

[1] روشن چراغ۔

کے لئے نور کا لفظ آیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں افلا تعقلون۔ افلا تتفکرون۔ افلا یتدبرون۔
کے الفاظ سے تفکر، تعقل، تدبر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اور عقل کے ساتھ نورِ عرفان بھی ضروری سمجھا گیا۔ دعوتِ تفکر و تعقل اس کی صریح دلیل ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عقل تنہا فیصلہ کن ہے کہ نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے جتنی قوتیں تخلیق کی ہیں۔ ہر ایک کے لئے جدا جدا کام ہے۔ کان سننے کے لئے ہیں۔ زبان چکھنے کے لئے۔ ناک سونگھنے کے لئے وغیرہ وغیرہ۔ تو ظاہر ہے۔ کہ عقل کا بھی خاص کام اور دائرہ کار ہے۔ اسی طرح عقل کا فریضہ ادراک معقولات ہے جیسے عقائد اور اخلاق کا خیر و شر معلوم کرنا۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جو فرائض جس کے ذمہ ہوں وہ اسے تب ادا کر سکے گا کہ صحیح اور تندرست ہو سقیم نہ ہو۔ ہر کان نہیں سن سکتا نہ ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ بلکہ وہ کان سن سکتا ہے جو صحیح ہو۔

عقلِ سلیم ہی سے شرفِ انسانی وابستہ ہے

عقل درست ہو تو اپنا متعلقہ کام یعنی عرفانِ حقیقت صحیح طور پر انجام دے سکتا ہے۔ ورنہ وہ اپنا کام نہیں کر سکے گا۔ ارشادِ ربانی ہے:

الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ مگر وہ شخص جو اللہ کے پاس صحیح سالم دل لیکر حاضر ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قلب کی دو قسمیں ہیں: سلیم اور غیر سلیم۔ اگر عقل سلیم یعنی وحی کی روشنی سے منور ہو۔ تو ادراکِ حقیقت کر سکے گی۔ ورنہ نہیں۔ اب مخالفین دعوی کرتے ہیں کہ عقل کافی ہے۔ لیکن بالفرض والمحال ایسا ہو بھی تو پہلے وہ اپنا عقل سلیم ثابت کریں۔ ہم تو ان کی عقل کا سقیم ہونا ثابت کر سکتے ہیں[1] کیونکہ ہر دور میں نوے فیصدی عقول سقیم رہی ہیں۔ اور جسمانی

---

[1] عقل کی بیچارگی کا تو یہ عالم ہے۔ کہ جن چیزوں کو حواس سے نہ دریافت کیا جا سکے ان کا علم عقل سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا کجا عالم غیب و روحانیت کہ عقل اس کی گتھیاں سلجھا سکے۔ بہرے کے پاس عقل ہے۔ مگر کیا اس کی عقل آواز کے آثار چڑھاؤ زیر و بم کے متعلق کچھ سوچ سکتی ہے؟ عقل کا کام دائرۂ حواس میں بھی صرف یہ ہے کہ جو معلومات حواس سے فراہم ہوں عقل ان کی ترتیب و تقسیم کرے۔ حقیقت وہی ہے جیسے شیخ محی الدین ابن عربی نے واضح کیا کہ "عقل حواس کی تابع ہے۔ نہ کہ حواس کی حکمران" اس سے معلوم ہوا کہ جو محسوسات نہیں وہ معقولات ہی نہیں۔ نور نبوت سے عقل کو الگ کر کے اس سے معنویات اور روحانیات کا ادراک کس طرح ممکن ہے۔؟ شیخ ابن عربی کا مشہور قول ہے۔ من طلب اللہ بعقلہ من طریق فکرہ و نظرہ فہو تائہ۔ خدا کو عقل سے طلب کرنیوالا گمراہ و سراسیمہ ہے۔ (س)

بیماریوں سے روحانی بیماریاں زیادہ رہی ہیں۔ صحیح چیز ہی اپنا کام صحیح طور پر کر سکتی ہے۔ صحیح جانور وغیرہ کام کر سکتے ہیں۔ بیمار گھوڑا، بیل، اور دیگر حیوانات کام نہیں کر سکتے۔ تو معلوم ہوا کہ اپنے فرائض میں کوتاہی مرض کی بڑی نشانی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ عقل ہی انسان وحیوان میں فرق کرنے والی چیز ہے۔ حیوان عقل نہیں رکھتا۔ انسان عقل رکھتا ہے۔ کھانا، پینا، جماع عقل کا کام نہیں کیونکہ جن حیوانات میں عقل نہیں وہ بھی کھاتے پیتے اور جماع کرتے ہیں۔ عقل سے شرفِ انسانی وابستہ ہے۔ اور اس کا فرض فکرِ آخرت ہے۔ ورنہ فکرِ معاش تو حیوانات میں بھی ہے۔ ظہیر الدین تاریخ الحکماء میں تمام حکماء کا فیصلہ تحریر کرتے ہیں۔ کہ عقل کی کارگزاری انجام بینی ہے۔ اور یہ اسی کا خاصہ ہے۔ میری مراد تعبیر اور انجام بینی سے فکرِ آخرت ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ ہمیشہ مغربیوں کی تردید کرتے ہیں۔ آخر آپ میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ میں نے کہا کہ صرف "زیر" اور "پیش" کی جنگ ہے۔ اسلام آخربینی ہے۔ اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یورپ آخُربینی ہے۔ اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ مولانا رومیؒ نے کیا خوب فرمایا۔

ہر کہ آخِر بین بود او مومن است
ہر کہ آخُر بین بود او احمق است

عقلِ سلیم کی خاصیت یہ ہے کہ بُرائی سے روکے۔ عربی زبان میں عقل کیلئے جتنے الفاظ موضوع ہیں وہ تمام روکنے اور بند کرنے کے معنی میں آتے ہیں۔ دیکھئے عقل کی اصل عِقال ہے۔ عقال اُس کو کہتے ہیں جس سے منزل پر جا کر اونٹ کو باندھ دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ کہیں دور نہ نکل جائے۔ گویا نقصان سے بچاؤ کی رسّی ہوتی اس طرح سے حجر بھی اسی معنی میں[1] استعمال ہوا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

هل فی ذالک قسم لذی حجر الآیۃ　　ہے ان چیزوں کی قسم معتبر عقلمندوں کے واسطے

تقاضائے فلسفہ یہ ہے کہ حیوان اپنی چاہ یعنی خواہش پر چلتا ہے۔ اور انسان بھی اپنی خواہش کی عمومی پیروی کرتا ہے۔ مگر عقل کے مطابق تھوڑا رکتا ضرور ہے تو عقل کی صفت رکاوٹ ڈالنا ہے۔ اور غلط کام کی خواہش کو روکنا ہے۔ اب قاعدہ مذکور کے مطابق اگر عقل اپنا کام صحیح طور پر انجام نہ دے یعنی رکاوٹ نہ ڈالے تو سقیم ہو گی سلیم نہ ہو گی۔ اب ان دعویدارانِ عقل کو اسی معیار پر پرکھو کہ وہ اسی معیار پر کہاں تک صحیح ہیں۔ جبکہ ان کا دعویٰ ہے۔ کہ تنہا عقل ہی انکی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ یورپین لوگوں کو جس بات کا شوق ہو بلا کسی رکاوٹ کے اور جھجک

---

[1] عربی میں عقل کے لئے حِجیٰ اور نُہیٰ کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کا لغوی معنی منع کرنا اور روکنا ہی ہے۔ (س)

کے وہ کام سر انجام دیتے ہیں۔ جب کسی شخص کو زنا کا شوق ہوتا ہے۔ تو اس کے لئے مخصوص پارک اور کلب میں جاتا ہے۔ ننگے مرد وعورتیں مل جاتی ہیں۔ اور غضب تو یہ ہے کہ دن دھاڑے لب سڑک سب کچھ ہوتا ہے۔ مدعیانِ عقل کا کردار یہ ہے جس پہ انہیں ناز ہے۔ اور کہتے ہیں کہ تنہا عقل ہی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔۔۔۔

۴۔۔۔ دلیل غذائی

اس دلیل کا نام دلیل غذائی ہے۔ خلاصہ اس دلیل کا یہ ہے کہ بقاء حیات، نشو ونما حیات اور ترقی حیات کے لئے غذا کا ہونا ضروری ہے۔ غذا نہ ہو تو حیات نہیں۔ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ غذا کی نوعیت باقتضاءِ مقتضی مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً چوپائے گھاس کھاتے ہیں۔ درندے گوشت کھاتے ہیں، نباتات مٹی اور پانی سے زندہ ہیں۔ سمندر ایک کیڑا ہے جس کی غذا آگ ہے۔ یہاں ناری پودوں کا حال بھی سن لینا چاہئے۔ کمپنی باغ سہارنپور میں چند ایسے درخت تھے۔ جن کے پودے ایک برتن میں لگے ہیں۔ اور برتن ہمیشہ ایک گرم تنور پہ ہی پڑا رہتا ہے۔ آگ کم ہو تو وہ پودہ مرجھانے لگتا ہے۔ یہاں سے عذابِ نار کا مسئلہ بھی حل ہوا مقلبِ امزجہ کو مزاج تبدیل کرنے کی بھی طاقت ہے۔ لہٰذا حیات باقی رہ سکتی ہے۔۔۔

اب انسان کے اندر دو چیزیں ہیں بدن اور روح۔ ان میں سے روح اشرف ہے۔ اور بدن احسن، پھر بھی انسان بحیثیت مجموعی اشرف المخلوقات ہے۔ انسانیت کے دو شعبے ہیں۔ روح اور جسم، جسم کی نشو ونما غذا پر موقوف ہے۔ اگر غذا نہ ملے تو بدن کی بقاء و ترقی بند ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جسم کی غذا کے لئے قدرت نے کیا انتظام کیا ہے۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے۔ کہ عالم علوی و عالم سفلی کی یہ عظیم مشینری جسم انسانی کی فراہمیٔ غذا میں سرتوڑ کوشش کر رہی ہے۔ گندم کا دانہ زمین میں ڈالا جائے تو زمین اپنی قوت صرف کرتی ہے۔ جسے قوتِ غریزی کہتے ہیں۔ اس طرح اگر تازہ ہوا یا پانی نہ ملے تو پودا مرجھا جائے۔ زمین کی حرارتِ غریزی آگ کی گرمی کی قائم مقام ہے۔ اگر یہ شامل نہ ہو تو نشو ونما نہیں ہو سکتی۔ غور کیجئے کیا عجیب انتظام ہے۔ قاعدہ ہے کہ بھاری چیز ہمیشہ نیچے کی طرف جاتی ہے۔ لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ نہ تو یونانیوں کی مرکز ثقل کام کرتی ہے۔ نہ جدید سائنس کی کششِ ارضی، حرارتِ غریزی جو آگ کے قائم مقام ہے۔ اور لطیف ہوتی ہے۔ وہ اسے اوپر لے جاتی ہے۔ اور یہ مزید

تعجب کی بات ہے۔ کہ جڑیں نیچے کو جاتی ہیں۔ اور شاخیں اوپر کو۔ پھر اگر لیل و نہار کی تفاوت نہ ہو تو فصل پک نہیں سکتی۔ جدید فلسفہ کی روشنی میں ستاروں کی کشش بھی نشوونما میں ممد ہے۔ علماء نباتات کا تجربہ ہے۔ کہ مساوی دن رات میں نباتات کی نشوونما رات میں بہ نسبت دن کے زیادہ ہے۔ اس طرح اگر سورج نہ ہو تو میوہ پک نہیں سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ پورا عالم انسانی غذا کے لئے کام کر رہا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ کہ ہر نبات پر ایک ملک مقرر ہے جو اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اور انسانی پیدائش کے سلسلہ میں چار سو فرشتے مقرر ہیں۔ کیا یہ تمام کام بقول احمقین یورپ کے بے شعور اور غیر ذی عقل مادہ کا ہے۔ حاشا و کلا نہیں بلکہ یہ سب ایک مختار کل حکیم کی حکمت ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ آفتاب و ماہتاب، سیارہ اور زمین و ہوا وغیرہ تمام اشیاء غذاء انسانی کی تکمیل میں کوشاں ہیں۔ اور انسان اس بارہ میں پوری کائنات کا محتاج ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لیجئے کہ خداوند کریم نے الوھیت مسیح کو رد کیا ہے۔ تو دلیل دی ہے کہ کانا یاکلان الطعام۔ (حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے)

حکمت خداوندی کا لازمی نتیجہ روحانی غذا کا انتظام ہے

اب غور کیجئے کہ وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ وہ فراہمیٔ غذا میں کائنات کے ذرہ ذرہ کے محتاج ہوں۔ اور عالم علوی و سفلی کی پوری طاقت انسان کی غذا کی فراہمی میں معاون ہو۔ محتاج بہر حال محتاج ہی ہے۔ اور خدا محتاج نہیں ہو سکتا۔ تو اگر غذائے جسمانی کا انتظام اس حیثیت سے ہو کہ اوپر سے نیچے تک پوری مشینری متحرک ہو لیکن غذائے روحانی کا انتظام نہ ہو تو حکمت خداوندی کے منافی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے۔ کہ صدر مملکت کے خادم کے لئے تو انتظامات کئے جائیں اور خود صدر کو کس مپرسی میں چھوڑ دیا جائے اور اس کی کوئی فکر نہ کی جائے کیا یہ حماقت نہیں ہو گی۔ اور کیا خداوند تعالیٰ کی دانائی پر قدح واقع نہ ہو گی ـــــ تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً

اب جب روح کے لئے غذا کی ضرورت ثابت ہوئی تو اسکی غذا بھی خود اس کی طرح لطیف ہونی چاہیئے جیسا کہ جسم کثیف ہے۔ تو اس کی غذا بھی کثیف ہے۔ نیز جسم زمینی ہے تو اس کی غذا بھی زمینی اور روح آسمانی ہے تو اسکی غذا بھی آسمانی ہونی چاہیئے۔

ملک الملک کا ارشاد ہے: قل الروح من امر ربی۔ (کہہ دے روح ہے میرے رب کے حکم سے)

تو غذائے روح بھی آسمانی ہے۔ روح کی غذا پر اسکی حیات موقوف ہے۔ تو ضروری ہوا کہ اسکی حیات کی خاطر عالم بالا سے کوئی چیز نازل ہو۔ وہ چیز آخر کونسی ہو سکتی ہے۔ جس سے روح کی نشو و نما اور بقاء ہو ——

وحی اور یادِ الٰہی سے قلب و روح کی بقا ہے

ظاہر ہے کہ وہ چیز وحی الٰہی کے بغیر دوسری چیز نہیں ہو سکتی ——

ارشادِ ربانی ہے:

یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔	اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔

اس آیت میں حیات سے حیات جسمانی مراد نہیں بلکہ حیاتِ روحانی مراد ہے۔ کیونکہ اللہ اور رسول کی دعوت کھانے پینے کی طرف ہو ہی نہیں سکتی وہ بہرحال دعوت الی الکتاب والسنت ہے۔ اور یہ دعوت وہ دعوت ہے جو جان بخشی اور حیات آفرینی کا سبب ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

مثل القلب الذی یذکر والذی لایذکر کمثل الحی والمیت۔	ذاکر اور غافل قلب کی مثال زندہ اور مردہ کی مانند ہے۔

تو معلوم ہوا کہ وہ قلب و روح جسکی غذا یادِ الٰہی ہو زندہ ہے۔ اور جسکی غذا یہ نہ ہو تو وہ مردہ ہے۔ اور خلاصۂ اسلام ہے یادِ الٰہی، یادِ الٰہی تمام دین کا عطر اور نچوڑ ہے۔ اس لئے تو ارشاد فرمایا گیا:

والقرآن ذی الذکر۔	قسم ہے اس قرآن کی جو ذکر سے لبریز ہے۔

اور اسی طرح صلوٰۃ کے بارہ میں کہا گیا:

ولذکر اللہ اکبر	اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی۔

تو گویا یادِ الٰہی ثمرۂ قرآن ہے۔ اس لئے میں کہا کرتا ہوں۔ کہ یادِ الٰہی اور قلب کی نشو و نما کی خاطر کسی نہ کسی سلسلۂ طریقت سے وابستگی ضروری ہے۔ ذاکر علم حضوری رکھتا ہے۔ اس لئے علماء کو چاہئے کہ کسی نہ کسی سلسلہ سے اپنے آپ کو وابستہ کر دیں۔ اس طرح قلب جو پہلے مردہ ہوتا ہے۔ انوارِ الٰہی سے اسکی کیفیت بدل جاتی ہے۔ اور روح کو ترقی نصیب ہوتی

ہے۔ ذالک لمن کان لہٗ قلب سلیم۔

اس روحانی ترقی کا مکمل مشاہدہ صحابہؓ کے احوال میں کریں۔ صحابہؓ کرام کو جنگ کے ہر میدان میں فتح ہوئی باوجودیکہ دشمن کی تعداد زیادہ تھی اسکے پاس کمالات جنگ اور سامان کی فراوانی اور صحابہؓ کے پاس نہ سامانِ جنگ اور نہ تعداد کی برابری اور کثرت، قیصر سے مقابلہ ہو تو بھی فتح نصیب ہوتی ہے۔ کسریٰ کی عظیم طاقت بھی انہی صحابہؓ نے ختم کردی۔ بدر میں جو اسلام کی پہلی جنگ ہے۔ ۳۱۳ افراد نے ایک ہزار افراد کو شکست دیدی۔ ۴۰ کروڑ افراد کے ملک ہندوستان میں محمد بن قاسمؒ صرف ۶ ہزار کی فوج سے آیا اور داہر کو شکست دے کر ملتان تک فتح کر ڈالا، مقابلہ کوئی نہ کرسکا۔ وجہ صرف روحانی ترقی تھی جس پر فتح و شکست کا دارو مدار ہے نہ کہ ظاہری ساز و سامان پر۔ ان کی روحانی طاقت ترقی یافتہ تھی تو دشمن کاغذ کی سپاہی نظر آتے تھے ——— (باقی آئندہ)

بقیہ صفحہ ۵

پہلے ہمیں پاکستان کی حیرت انگیز فتحیابی پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہندوستان اپنے ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ دنیا کے سامنے جو اپنی شکستوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا رہا ہے، وہ اس میں ذرا برابر بھی کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔

جامعہ کے حالات بدستور ہیں۔ گذشتہ سال جو طالب علم جامعہ سے فراغت حاصل کر چکے ہیں، ان میں سے بیشتر کو افریقہ اور بعض دوسرے ممالک میں دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجا گیا ہے۔ یہ طالب علم وہاں مستقل طور پر کام کریں گے۔ اور سعودی حکومت ان کو تنخواہیں دے گی۔ ویسے جامعہ کے چند اساتذہ پر مشتمل ایک وفد بھی چند ماہ کے لئے افریقہ کے بعض ممالک کے دورہ پر گیا ہوا ہے۔ یہ اساتذہ عنقریب واپس پہنچنے والے ہیں ———

حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدظلہ اور دوسرے احباب کے لئے آپ نے "الحق" کے جو پرچے دئے تھے وہ میں نے پہنچا دئے ہیں۔ مولانا نے خوشی کا اظہار اور دعائیں فرمائیں آپ سب حضرات کی خیریت کے بارے میں دریافت فرمایا، میں نے آپ حضرات کا سلام پیش کیا، انہوں نے بھی جواباً سلام لکھنے کے لئے فرمایا ———

حضرت مولانا بدرعالم صاحب مدظلہ آج کل بہت زیادہ علیل ہیں۔ بہت صدمہ ہوا۔ بات کرنے کی طاقت بھی اب ان میں باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ انکو شفاء عاجلہ اور عمر دراز عطا فرمائے۔ آمین

گناہ اور معصیت کے بُرے اثرات

از افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ

(خطبۂ جمعۃ المبارک ۲۶ر محرم الحرام ۱۳۸۵ھ)

—— ضبط و ترتیب ادارۂ الحق ——

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عن عبادۃؓ بن صامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرجت لاخبرکم بلیلۃ القدر فتلاحیٰ فلانٌ وفلان فرفعت (اوکما قال علیہ السلام)

ترجمہ :- عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں لیلۃ القدر کے بارہ میں خبر دینے نکلا مگر فلاں اور فلاں کے جھگڑے کی وجہ سے اس کا علم اُٹھ گیا۔

محترم بزرگو! انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت اس وقت اپنی طرف کھینچ سکتا ہے جب اس میں اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور تابعداری ہو اور ہر لحظہ اور ہر سیکنڈ اس کی بندگی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے۔ بسا اوقات انسان سے غلطی ہوتی ہے اور وہ اسے معمولی سمجھ کر اسکی پرواہ نہیں کرتا مگر وہی بات اس کی تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔ معمولی زکام میں اگر بے احتیاطی کی جائے تو دق بن کر جسمانی طور پر موجب ہلاکت ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی گناہ کا معاملہ ہے۔ گناہ صغیرہ پر دوام اور لاپرواہی جہنم میں داخلہ کا سبب بن جاتی ہے۔

زبان کو قابو رکھنے کی ضرورت

حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص منہ سے مذاق یا خوش طبعی یا بے پرواہی میں ایک کلمہ نکال دیتا ہے۔ اور اس کی وجہ

سے جہنم کے نچلے طبقہ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات ایک بات اور ایک جملہ سے جنت کا اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے۔ مثال کے طور پہ ایک جگہ مسلمان جمع ہوں دین کے لئے باتیں ہو رہی ہوں مثلاً کسی نے مسجد بنانے کی تحریک کی، مساکین کی امداد کی طرف رغبت دلائی دین کے طلبہ کی کفالت کرنے کی طرف توجہ دلائی اب کسی نے از راہ مذاق یا بے پرواہی میں کہا کہ ان امور سے لوگوں کا کیا فائدہ۔ اور یہ دین کے طلبہ دنیا کے کس کام کے ہیں۔ قوم پر بار ہیں، جیساکہ آجکل کہا جاتا ہے۔ تو گویا اس شخص نے ایک بات سے سب کے دل توڑ دیئے اور دوسرے شخص نے ان کاموں کی حوصلہ افزائی کی کہ انکی امداد بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ قیامت تک ان کے ذریعہ دین کا سلسلہ چلتا رہے گا۔

رازق تو درحقیقت خدا ہے۔ ان کی امداد سے ہم پر کوئی خاص بوجھ نہ ہوگا۔ وغیرہ۔ اب اس کی چند باتوں سے سب کے دل مضبوط اور دین کے کام پر آمادہ اور پختہ ہو جائیں گے۔ تو ایک بات سے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور ایک بات سے سنبھل جاتے ہیں۔

اطاعت وایمان سے لبریز کلمات

بدر کے موقعہ پر صحابہ کرام بے سروسامان نکلے جنگ کا ارادہ نہ تھا مگر پیش آیا حضور اقدسؐ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا کہ جنگ کی جائے یا نہ۔ بظاہر تو دشمن کی طاقت تعداد اور اسلحہ ہر چیز میں زیادہ تھی ——— ایک صحابی حضرت مقدادؓ نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ اس سے بہتر موقعہ لڑائی اور جہاد کا کب نصیب ہوگا۔ قربانی کا موقعہ خدا نے دیا ہے نہ معلوم پھر ایسا موقعہ ملے یا نہ ملے۔ اگر ہم یہ جان و مال جان آفرین کو سپرد کر دیں تو اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوگی اور کہا کہ یا رسول اللہ ہم اور قوموں کی طرح نہیں اور نہ بنی اسرائیل کی طرح کہ آرام اور راحت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی رہے اور جب عمالقہ سے جہاد کا موقع آیا تو اپنے نبی کو کہا کہ اذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔ (تو اور تیرا رب جاکر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔) انا نقاتل عن یمینك ویسارك وقدامك وخلفك۔ (ہم آپ کے دائیں بائیں آگے اور پیچھے لڑتے رہیں گے۔) ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اگر آپ حکم دیں کہ سمندر میں کود جائیں تو ہم تعمیل حکم کریں گے ——— تو اس ایک صحابیؓ کی اس ایک بات سے تمام

لہ حضرت سعد بن معاذ سے بھی زاد المعاد میں اطاعت و جاں نثاری کے ایسے ہی کلمات منقول ہیں کہ فرمایا بخدا! اگر آپ برک غمدان تک چلے جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ چل پڑیں گے۔ اور خدا کی قسم اگر آپ سمندر میں گھوڑا ڈال دیں گے تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے۔ (ادارہ)

صحابہ کا ایمان اور عزم مضبوط ہوا کہ اگر پیغمبر کی رائے اور مرضی ایک بات کی ہو اور امت کم ہمت ہو ساتھ نہ دے تو ایمان نہ رہے گا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کاش میری ساری عبادت ایک طرف اور حضرت مقدادؓ کے یہ کلمات میرے اعمالنامہ میں ہو جاتے تو میرے لئے یہ باعث فخر و سرخروئی ہوتا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ان کو کتنا اجر ان چند کلمات ایمانی سے ملا ہوگا۔ کہ جس سے مسلمانوں کا حوصلہ بلند ہوا ۔۔۔۔۔ تو زبان کو قابو میں رکھنا اور ہر جملہ ہر لفظ پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ کسی کی تخفیف یا اہانت یا دل آزاری اس سے نہ ہو جائے، کوئی بات اسلام کے ضعف کا باعث نہ بن جائے اور مسلمانوں کے حوصلے اس سے نہ ٹوٹیں اور آپ کے چند کلمات آپ کے لئے وبال آخرت نہ بن جائیں۔ اس وجہ سے حضور اقدسؐ نے زبان پر قابو رکھنے کی بارہا تاکید کی۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا جو شخص کم گو ہو اس میں کمال اور خیر ہوگا ورنہ نہیں۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ لبا اوقات انسان حصائد السنة (زبان کی کٹائی) کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے۔ مجلس آرائی اور لوگوں کی تفریح طبع اور ان کو مشغول رکھنے کے لئے باتیں بنانا تباہی کا باعث ہو جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم، محدث، بہت بڑے صوفی گذرے ہیں۔ راستہ پر چلتے تو ایسے غمزدہ معلوم ہوتے جیسے قتل کے جرم میں پکڑے گئے ہوں۔ اور پھانسی کے لئے لیجائے جا رہے ہوں ۔۔۔۔ ساتھیوں نے اس سوچ و فکر کی وجہ پوچھی فرمایا کہ تم تو میرے ظاہری اعمال دیکھتے ہو کہ حدیث کا درس دیتا ہے، ذکر و عبادت کرتا ہے۔ مگر کیا معلوم اگر کوئی ایسی بات منہ سے نکلی ہو جس کے وبال میں خدا تعالیٰ فرما دے کہ اس بات کی وجہ سے " اے حسن تیرے سارے اعمال غارت ہو گئے ہیں۔ کوئی عمل مقبول نہیں رہا۔" پھر اس وقت میری ناکامی و بربادی کا کیا حال ہوگا۔

تو بھائیو! یہ حسن بصریؒ کی حالت ہے۔ تو ہم جیسوں کا کیا حال ہے۔ جو کسی بات کا موقعہ و محل نہیں دیکھتے جو باتیں لوگوں کی اذیت اور تکلیف کے لئے زبان سے نکلتی ہیں اور جنگ و جدال اور سب و شتم کا باعث ہوتی ہیں ان کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت دور ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث مبارک جو میں نے بیان کی اس پہ غور کیجئے کہ ایک دفعہ حضور اقدسؐ اپنے مکان سے باہر تشریف لائے۔ صحابہ کرام منتظر تھے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسجد ہی میں تھے۔ حضور اقدسؐ خوشی خوشی گھر سے باہر آئے کہ خدا تعالیٰ نے اس وقت ایک خاص بات

رحمت کی ظاہر فرمائی تھی اور وہ تھی لیلۃ القدر کی رات کا علم کہ اس رمضان میں لیلۃ القدر فلاں رات کو واقع ہوگی ــــــ

لیلۃ القدر کی عظمت اور فضیلت

علم تو ویسے بھی بڑی نعمت ہے۔ پھر یہ علم تو بڑی نعمت تھی کہ اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ یعنی چوراسی سال کی عبادت ایک طرف اور لیلۃ القدر کی ایک طرف پھر اتنی عمر کس کو ملتی ہے۔ اگر مل بھی جائے تو زمانہ قبل از بلوغ اور دیگر ضروریات کا وقت، وضع کرنے کے بعد عبادت کے لئے ایک تہائی سے بھی کم مدت رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔ (لیلۃ القدر ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے) پھر بہتر ہونے کی بھی کوئی حد نہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کتنا خیرٌ ہے۔ دنیا کا خیر تو اس کے علاوہ ہے۔ کہ اس رات جو دعا کی جائے وہ مقبول ہوتی ہے ــــــ

قبولیتِ دعا کی چند مثالیں

کئی بزرگوں اور خوش نصیبوں کو اس رات کے علم کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے جو دعائیں کیں وہ قبول ہوئیں۔ بے شمار واقعات منقول ہیں۔ ہمارے شیخ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ مصر میں ایک بوڑھی عورت کسی ضرورت کیلئے رات کو باہر نکلی باہر اس نے علامات وقرائن سے لیلۃ القدر کو پہچان لیا اور دعا کی کہ یا اللہ میری عمر اور مال و اولاد میں برکت دے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کی اولاد اتنی پھیل گئی کہ تین میل کے اندر اندر ان کے باغات و مکانات پھیلے ہوئے تھے ــــــ

ابھی پرسوں مدینہ طیبہ کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ اس سال ایک عمر رسیدہ بزرگ[1] حج کرنے گئے غالباً گلگت کے رہنے والے ہیں۔ عمر ان کی ۱۲۵ سال ہے۔ اور یہ ان کا چھپنواں ۵۶ حج تھا۔ انہیں لیلۃ القدر ملی اور انہوں نے عمر میں برکت کیلئے دعا کی یہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے خلفاء اور مریدین میں سے ہیں۔ اس خط میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت حاجی صاحب مرحوم کے سامنے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا۔

ہمارے استاد اور شیخ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت شیخ الہند

---

[1] حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب کی طرف اشارہ ہے۔ جو بعد میں پاکستان آئے اور اخبارات و جرائد میں ان کا ذکر آتا رہا۔ (ادارہ)

رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مالٹا میں قید تھے۔ حضرت شیخ مدنی ؒ نے اس زمانے کا ایک واقعہ سنایا کہ مفتی دوریران آفندی اپنے ایک استاد جو بڑے عالم تھے کے منہ سے حسرت میں بار بار ترکی زبان میں یہ کلمات سنتے کہ "چوبان دردی چالدی" جس کا مفہوم یہ تھا۔ کہ "چرواہے نے بانسری بجائی اور چل دیا۔" تو اس مفتی صاحب کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ ایک رات مجھے اور ایک چرواہے کو لیلۃ القدر کا احساس ہوا۔ چرواہے نے اور میں نے دعا کی۔ چرواہے نے ایمان کی سلامتی کی دعا کی کہ دنیا کے مصائب سے نجات ہو اور ایمان سے خاتمہ ہو۔۔۔۔ گویا اس نے ایمان کی دولت مانگی جو سب سے بڑی دولت ہے۔ دنیا و مافیہا سب فانی اور ہیچ ہیں۔ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ اگر کسی کو دس ہزار برس عمر بھی ملی اور پھر معاذ اللہ اسے ایک غوطہ بھی جہنم میں دیا گیا تو یہ دنیا کی تمام زندگی کو بھول جائے گا۔ اور فرشتوں سے کہے گا کہ میں نے ہرگز کوئی خوشی دیکھی ہی نہیں گویا کہ یہ ایک لحظہ بھی دنیا میں خوشی سے نہیں رہا تھا۔ دنیا کی آگ پر وہاں کی آگ قیاس نہ کرو۔۔۔۔ حضور اقدس کا ارشاد ہے۔ کہ جہنم کی آگ دنیا سے سو گنا زیادہ (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر) ہے۔" اگر بالفرض تمہیں دنیا کی بادشاہی بھی مل جائے۔ اور موت کے بعد ایک لحظہ کے لئے بھی جہنم میں گئے تو سب کچھ بھول جاؤ گے۔ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلاً	جن چیزوں کا علم مجھ کو ہے۔ اگر تم اسے جان
ولبکیتم کثیرا۔	جاؤ تو بہت تھوڑا ہنسو اور اکثر روؤ۔

اور فرمایا کہ میرے سامنے جو کچھ ہے۔ اگر تم اسے دیکھ پاؤ تو آبادیاں چھوڑ کر دشت و صحرا اور جنگلات کی طرف بھاگ نکلو گے۔

بھائیو! جب ہمارے سامنے ایک مقدمہ ہوتا ہے۔ اور اس میں ہماری پیشی ہو تو پیشی کا وقت جتنا بھی قریب آتا ہے اتنی ہی عدالت میں جواب دہی کیلئے ہم تیاری کرتے ہیں۔ اور فکر میں لگے رہتے ہیں۔ تو اللہ کی عدالت تو سب سے بڑی عدالت ہے۔ پیشی اس ذات کے سامنے ہے جس سے کوئی بات چھپی نہیں۔ ایک معمولی عدالت اور مقدمہ کے لئے تو ہر وقت فکر مند ہوتے ہیں۔ اور آخرت سے اتنی غفلت۔

تو اس چرواہے نے ایمان کی دعا مانگی جو اصل چیز ہے۔ چنانچہ صبح نماز پڑھ کر اس کا انتقال ہوا۔ اس کی دعا قبول ہوئی آثار ایمان اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔۔۔۔ اور اس عالم

نے دعا کی کہ استنبول میں میرا حلقۂ درس سب سے زیادہ ہو۔ تو اس کی دعا قبول ہوئی اور اس عالم نے کہا کہ استنبول میں میرا اتنا حلقۂ درس ہے۔ کہ کسی اور عالم کا نہیں۔ مگر آخرت کا حال معلوم نہیں کہ خاتمہ کس حال میں ہوگا۔ اس لئے روتا ہوں کہ چوا ہے نے مجھ سے بہتر دعا کی ـــ جیسا کہ ہر طالب العلم کی تمنا ہوتی ہے کہ تدریس میں مجھے کامیابی ہو بلکہ صرف اسے ہی مقصد عظمیٰ بنالیا گیا ہے ـــ

علم کا مقصد بھائیو! علم کا مقصد صرف تدریس ہی نہیں کہ بس اسے ہی مقصد علم بنالیا جائے علم میں تدریس، زمینداری، زراعت، کسب معاش، سیاست، جہاد سب کچھ آجاتا ہے۔ اور مابہ الاشتراک سب میں رضائے الٰہی ہے۔ اگر خدا نے تمہیں جہاد کا موقع دیا تو وہاں اپنے عمل سے کتاب الجہاد کا نقشہ پیش کرو۔ زمینداری کا موقع ملے تو باب الزراعت کا عملی نمونہ بن جاؤ اور تجارت و سیاست میں ہوں تو اس میں دین کے احکام پیش کرو۔ زندگی کے جس شعبہ میں بھی خدا تمہیں کام کرنے کی توفیق دے اسی شعبہ ہی میں دین کی اشاعت کو اپنا مقصد بناؤ۔ اسی میں دین کے مبلغ بن جاؤ صرف درس و تدریس ہی منتہائے حیات نہیں اور نہ صرف یہی خدمت دین ہے۔ گو یہ بھی بہترین شعبہ ہے۔ کہ اگر اخلاص وللھیت سے تعلیم و تعلّم میں لگا رہے تو مچھلیاں اور چیونٹیاں بھی علماء کے حق میں استغفار کرتی ہیں ـــ

عود الی المقصود الغرض لیلۃ القدر بڑی فضیلتوں کی رات ہے۔ ہمارے امام ابو حنیفہ کے نزدیک لیلۃ القدر سارے سال میں دائر ہے۔ کبھی رمضان اور کبھی دوسرے مہینوں میں ہوتا ہے۔ اور پوشیدہ ہے۔ جیسے کہ جمعہ کے دن ایک خاص مخفی وقت ہے جس میں دعا ضرور مقبول ہوتی ہے۔ ایسے باہمت لوگ تو بہت کم ملتے ہیں۔ کہ سال بھر ساری رات بیٹھ کر عبادت کریں البتہ علماء نے لکھا ہے۔ کہ جس شخص سے سال بھر عشاء اور فجر کی نماز باجماعت قضا نہ ہوئی تو اس کو لیلۃ القدر کا ثواب اور اجر مل جائے گا۔

تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رات کے علم سے بڑی خوشی ہوئی مسجد میں تشریف لائے کہ صحابہؓ کو بھی یہ نعمت معلوم ہو جائے۔ باہر اتفاق سے دو مسلمان آپس میں کسی معاملہ پر گرم تھے۔ تیزی تک بات پہنچی ایک دوسرے پر آوازیں اونچی ہوئیں اور جھگڑے کی ایک شکل بن گئی تھی۔ حضورؐ نے ان کو حسن معاشرت کی تلقین کی معاملہ رفع دفع ہوا۔ ـــ اب جب فارغ ہو کر صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے کہ لیلۃ القدر کو بیان کر دیں تو بھول گئے اور فرمایا کہ وہ

دولت علم اس جھگڑے کے بُرے اثر کی وجہ سے سینہ سے اُٹھ گئی۔ اور فرمایا کہ اس میں خیر ہوگا۔ تو گویا بُرے عمل کے اثرات معصوم اور بے گناہ حضرات پر بھی ہو جاتے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ حجر اسود پہلے دودھ کی مانند سفید تھا، طوافین کے گناہوں کے جذب کرنے کی وجہ سے سیاہ ہوگیا۔ تو اس نے گناہ کوئی نہیں کیا مگر گناہوں کے اثر بد سے پتھر محفوظ نہ رہ سکا ــــــ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ علم دین کے طالب کیلئے گناہ کی نحوست سے اجتناب ضروری ہے۔ اور بجا فرمایا کیونکہ ــــ

فان العلم فضل من الله وفضل الله لا یعطی لعاصی

یاد رکھو جہاں دو مسلمان باہمی جنگ وجدال اور جھگڑے میں لگے ہوں خدا تعالیٰ ان سے ناراض ہوتا ہے۔ اور رحمت خداوندی ہٹ جاتی ہے۔ گناہ اور رحمت خداوندی دونوں جمع نہیں ہوتے ــــــ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص کا سیدنا ابوبکر صدیق سے کسی بات پر جھگڑا ہوا حضرت صدیقؓ خاموش رہے اور حضورؐ مسکراتے رہے۔ پھر کچھ دیر بعد حضرت ابوبکر کو بھی غصہ آیا اور جواب دینا شروع کیا تو حضورؐ نے چادر لی اور اُٹھ کر مجلس سے روانہ ہوئے۔ ابوبکر صدیق نے اس کی شکایت کی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تک تم خاموش تھے فرشتے آپ کی طرف سے جواب دیتے رہے۔ جب تم نے خود مدافعت شروع کی تو شیطان بیچ میں آگیا۔ اس لئے میں اٹھ کر چلا گیا ــــــ

بعض اعمالِ بد کا تباہ کن خاصہ

ایک حدیث میں ہے: سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ (مسلمان کو گالیاں دینا فسق اور اس کے ساتھ لڑائی کفر ہے)

اس حدیث کے بارہ علماء مختلف توجیہات کرتے ہیں۔ جو بھی ہو امام بخاریؒ نے اس سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے۔ کہ گناہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اس سے بچتے رہنا چاہیئے۔ اس حدیث کی ایک توجیہ حضرت شاہ صاحبؒ (مولانا انور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ) نے کی ہے کہ ایسا شخص تکوینی طور پر کفر پہ مرنے کے خطرہ میں ہے۔ یعنی اس عمل کا خاصہ ایسا ہے کہ اس کا خاتمہ بالکفر ہونے کا خطرہ ہے۔ اور یہ خطرہ کے مقام پر کھڑا ہے۔ گویا تشریعی طور پہ حکم کفر نہیں مگر تکوینی طور پہ رفتہ رفتہ کفر کی طرف جا رہا ہے۔ اور تکوینی کفر پر اس کے خاتمہ کا امکان ہے ــــــ

امام غزالیؒ نے بھی دو چار چیزیں ایسی بیان کی ہیں کہ جن کی وجہ سے کفر پہ خاتمہ ہونے کا

خطرہ ہوتا ہے۔

۱۔ بدعت ـــــ کہ ایک شخص ایسی چیزوں کو دین اور ثواب سمجھ کر کرتا ہے۔ جو درحقیقت دین میں نہیں ہیں۔ ایسے لوگ بدعتی ہیں کہ بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ خود تو علم حاصل نہیں کرتے کہ دین اور غیر دین سمجھ لیں۔ ایسے شخص کا خاتمہ ایمان سے نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ بوقت نزع وہی اعمال اس کے سامنے بشکلِ عذاب سامنے آجاتے ہیں جو اس نے بنیّت عبادت کئے تھے۔ اس نے تعزیئے اٹھائے تھے۔ امام باڑے بنائے تھے۔ سینہ کوبی کرتا رہا۔ جسے بظاہر عبادت سمجھتا تھا اسی طرح جلوس نکالے تھے۔ محرابوں، کاغذی جھنڈیوں قمقموں اور بجلیوں سے راستے اور گلیاں سجائی تھیں اور سب کچھ نیک خیال سے کیا تھا۔ اب وہاں یہ انجام بد دیکھ کر سمجھ بیٹھتا ہے۔ کہ میرے تمام اعمال غلط تھے۔ اس وقت اسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت حضور اقدسؐ کی رسالت اور اصولِ دین میں اسے تردد اور شک پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ شاید یہ بھی درست نہ ہوں تو خاتمہ بالکفر ہونے لگتا ہے۔ اس لئے عبادت اور دین کے ارادے سے جو بھی کام کرو علماء حق سے پہلے پوچھ لیا کرو تاکہ صحیح اعمال اور عبادات اختیار کرسکو شیطان انہی راہوں سے اکثر گمراہ کرتا ہے اور تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ آج لوگ خود علم حاصل نہیں کرتے اور علماء کے پاس جانے میں بھی شرم سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ کیا دین اور احکام شرعیہ صرف علماء کا ٹھیکہ ہیں ـــــ؟

۲ ـــــ ایسا شخص جس کا مال و دولت سے فرطِ محبت ہو، حرص ہو گویا مال متاع ہی اسکی معشوق بن گئی ہو اب جب بوقت موت اس کی معشوق اس سے چھن رہی ہو اور دنیا میں ہی سب کچھ رہنے والا ہو تو اس وقت معاذ اللہ اس کے دل میں خدا سے بغض اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ وہ محبوب یعنی دنیا کو اس سے جدا کر رہا ہے تو اس کا خاتمہ خدا سے بغض کی حالت میں ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ مگر جن لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت جاگزیں ہو ان کو یہ خطرہ نہیں ہوتا کیونکہ من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن ابغض لقاء اللہ ابغض اللہ لقاءہ بلکہ اسے تو اللہ سے وصال کی خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔

۳ ـــــ اہل معاصی پر بھی خاتمہ بالکفر ہونے کا خطرہ ہے کہ بوقت نزع جب اسے اس کا اعمالنامہ دکھایا جاتا ہے۔ تو ایک لائن گناہوں کی لگی رہتی ہے۔ سارے اعمال بد ایک ایک کرکے اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ ایسے وقت میں وہ (نعوذ باللہ) خدا سے ناامید ہو جاتا ہے۔

اور اسے بھی نفرت ہونے لگتی ہے۔ (نعوذ باللہ) اور نا امیدی کی حالت پر مرنا بھی کفر ہے۔ الایمان بین الخوف والرجاء ہے۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں جو ذراسی تکلیف اور مصیبت میں اللہ سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ اور کلمات نفرت منہ پر لانے لگتے ہیں۔ ایک شخص کا بیٹا مرا وہ روتا اور کہتا کہ "یا اللہ اگر تیرا بیٹا ہوتا اور کوئی اسے مارتا تب تجھے پتہ چلتا" تو ایسے جاہل بھی تو ہوتے ہیں۔ آج بھی کہتے ہیں۔ کہ بس مجھے ان تکلیفوں اور مصیبتوں کے لئے خدا نے منتخب کیا ہے۔ اور کسی کو خدا نے نہیں دیکھا۔ معلوم نہیں مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا ہے ——— تو گویا یہاں جھگڑنے کو تیار ہیں تو نزع کے وقت جب سب کچھ سامنے آ جائے گا۔ تو بغض اور ناراضگی پیدا ہو جائے گی اور اس کا خاتمہ کفر پہ ہو جائے گا۔

خلاصۂ بحث خلاصۂ بحث یہ ہے کہ علم جزئی (لیلۃ القدر) جیسی بڑی نعمت حضور جیسے پاک ذات جو سید الانبیاء ہیں کے معصوم سینہ سے نکل گئی اور یہ اثر تھا بغض کے باہمی شور و تکرار کا، نیز ارشاد خداوندی ہے: واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ۔ الآیۃ یعنی تم ایسے فتنہ سے ڈرتے رہو جس کا نشانہ صرف ظالم نہیں ہوں گے ——— تو آپ اندازہ لگائیں کہ جو شخص خود گناہ کرے گا وہ کب عالم بن سکے گا۔ اور کب متقی و با اخلاق ہو سکے گا۔ اس لئے خشیۃ خداوندی اور عالم ہونا لازم و ملزوم ہے۔ جس شخص میں خشیۃ اور خوف خداوندی نہ ہو اور گناہوں سے اجتناب نہ کرے وہ عالم نہیں ہو سکتا۔

اگر ہم چاہیں کہ سب پر رحمت خداوندی نازل ہو تو سب دیندار اور ایماندار بن جائیں۔ ہر شخص اپنے ہر قول و فعل کا محاسبہ کرتا رہے اور اگر ایک دوسرے کو برا کہے تو اس طرح اصلاح ممکن نہیں ——— و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

(بقیہ صفحہ ۱۴)

سے ہے۔ نیز ڈاکٹر زوار حسین صاحب ان کی ہمشیرہ صاحبہ فاضلہ بریو اور منشی خلیل صاحب، گارڈ صاحب یہ سب بھی ہمارے نانا مرحوم کی اولاد اور نہایت قریبی رشتہ دار ہیں۔ ان سے بھی ادب اور احترام کا معاملہ رکھو۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۵ رجب ۱۳۶۱ھ

—— حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز ——

ذیل میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسین احمد صاحب المدنی علیہ الرحمۃ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کا ایک غیر مطبوعہ نادر مکتوب پیش خدمت ہے۔ جو انہوں نے ۱۳۶۱ھ کے زمانۂ اسارت میں (غالباً نینی جیل مراد آباد سے) اپنے صاحبزادہ حضرت مولانا سید محمد اسعد صاحب مدنی کے نام تحریر فرمایا ہے۔ جس میں زمانۂ طالب علمی اور علم و عمل کے بارہ میں زرّیں نصائح اور مفید باتیں درج ہیں —— ذی الحجہ [illegible] میں راقم کو چند دن کے لئے دارالعلوم دیوبند اور حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کے دولت کدہ پر ٹھہرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت شیخ کے جان نثار خادم اور خلیفۂ مجاز مولانا قاری اصغر علی صاحب نے ازراہِ شفقت تبرکاً حضرت شیخؒ کا یہ اور کئی ایک دوسرے گرامی نامے عنایت فرمائے جو سب کے سب غیر مطبوعہ ہیں اور آئندہ پیش کئے جائیں گے۔ انشاءاللہ
(سمیع)

عزیزم اسعد سلّمکم اللہ تعالیٰ — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

تمہارا خط پہنچا اور کتابوں کے امتحان اور نمبر کا حال معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی۔ خدا کرے باقیماندہ کتابوں میں بھی ایسے ہی بلکہ اس سے اچھے نمبر آئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم نے کتابوں کے پڑھنے اور یاد کرنے میں اچھی محنت کی ہے۔ اسی کی بہت ضرورت ہے۔ خوب محنت کے ساتھ کتابوں کو پڑھو اور جلد کامیابی کے ساتھ تمام علوم اور فنون سے فراغت حاصل کر لو۔ علم ہی سے انسان شرافت حاصل کرتا ہے۔ یہ سب تمہاری محنت

کا اور سعادت مندی کے لئے ذریعہ ہوگا۔ جناب قاری صاحب کی توجہ اور عنایت تمہارے لئے اکسیر ہے۔ ان کا حکم برابر مانا کرو۔ وہ تم پر بہت شفیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہان میں فائز المرام فرمائے۔ آمین۔ اور اپنی آپا کو ہمیشہ خوش رکھو۔ اور ان کا کہنا مانو اور کسی قسم کا فکر نہ کرو۔ میں نے اس سے پہلے خط بھیجا ہے، تم کو ملا ہوگا۔ **تم کو میری گرفتاری کا کچھ بھی خیال نہ ہونا چاہئے۔** اللہ کو منظور ہے تو میں جلد آؤں گا۔ سب لوگوں سے خصوصاً اپنی آپا شبراتن، اپنی دونوں پھوپھیوں اور گھر میں آنے والی عورتوں سے سلام کہہ دو۔ نیز شبیر، نصیر، محمد امین، محمد مختار، متولی جی، صوفی جی، منشی محمد شفیع صاحب اور دوسرے پرسان حال اصحاب سے سلام مسنون کہہ دو۔ والسلام

تمام استادوں کا ادب کیا کرو۔ کسی کی شان میں نہ پیچھے نہ سامنے کوئی گستاخی نہ کرو۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۵ رجب ۱۳۶۱ھ

یہ خط میری جیب میں تھا۔ میں نے پہلے لکھا تھا۔ مگر مولوی یٰسین صاحب نکالنا بھول گئے۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ نصیحت مجھ کو لکھنا۔ میں نے پہلے خط میں بھی ضروری نصیحتیں لکھی تھیں اور اب بھی لکھ رہا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مطمئن الخاطر رہو کسی قسم کا فکر اور اضطراب دل میں نہ آنے دو اور نہ کسی سے اظہار کرو۔ اپنی آپا اور قاری صاحب کا حکم مانو کبھی خلاف نہ کرو۔ **استادوں اور دیگر مدرسین کا ادب کرو۔ پنجگانہ نماز اور جماعت کا خیال رکھو کسی وقت کی نماز قضا نہ ہو۔ صبح کے وقت کی نماز کا بہت زیادہ انتظام کرو۔ سب سے اچھے اخلاق سے** پیش آؤ۔ شریر اور بد وضع لڑکوں اور طلباء کے پاس مت جاؤ۔ تمہارا خط ابھی صاف نہیں ہوا ہے۔ اس لئے لکھنے کی مشق زیادہ کرو۔ کتابوں کے پڑھنے میں پورا دھیان لگاؤ اور محنت کرو۔ ریحانہ اور ارشد، فرید، سعید، صفیہ، رضیہ سب سے محبت سے پیش آؤ۔ بھائی محمد ظہیر صاحب، بھائی محمد بشیر صاحب۔ عزیزم فضل الرحمٰن ان کی والدہ ماجدہ مولوی حمید الدین اور دوسرے اعزہ سب کے سب ہمارے تمہارے عزیز ہیں۔ خصوصاً بھائی ظہیر صاحب اور بھائی محمد بشیر صاحب ہم سب بھائیوں سے بڑے اور بجائے ہمارے والد مرحوم کے ہیں۔ ان کا ادب اور لحاظ رکھا کرو یہ سب ہمارے دادا مرحوم کا گھرانا

باقی صفحہ ۳۲ پر

باقیات صالحات
امیر التبلیغ رح

علم، عمل اور یقین

مرتب :- مولانا محمد یعقوب القاسمی فاضل حقانیہ۔ پشاور شہر

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۱۸ر اپریل ۱۹۶۳ء بروز جمعرات دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے وسیع وعریض دارالحدیث (ہال) میں علماء کرام وطلباء سے خطاب فرمایا۔ جو دارالعلوم میں ان کا آخری خطاب تھا۔ یہ تقریر مختصراً احقر نے نوٹ کرلی تھی جو ہدیہ ناظرین ہے۔ فقط احقر القاسمی عفی عنہ

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی ـــــ اما بعد

میرے بھائیو اور دوستو! اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے یہاں لایا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی علیم ہے کہ اور کوئی نہیں۔ اس نے دریا بنائے، سمندر بنائے، پہاڑ بنائے۔ جنت و دوزخ بنایا۔ زمین و آسمان کو دیکھ کر اگر انسان جاننا چاہے تو نہیں جان سکتا۔ کیونکہ اس نے جان کر بنایا ہے۔ اس نے اپنے علم کے مطابق یہ عالم بنایا۔ تو وہی اس کے ظاہر و باطن کے عالم اور دانا ہیں ـــــ

بھائیو! علم جو آپ حاصل کر رہے ہیں اس سے انتفاع کیلئے دو باتیں ضروری ہیں، ایک یقین اور دوسرا عمل ـــ اگر یہ دونوں حاصل ہو جائیں تو منافع کے دروازے کھلتے ہیں۔ جیسے آجکل کے انسان ہیں مختلف شکل وصورت رکھتے ہیں اور مختلف علوم رکھتے ہیں۔ زمین والے زمین کا علم رکھتے ہیں۔ سائنس والے سائنس کا علم رکھتے ہیں۔ مگر نفع سب یقین کے ساتھ ہی لیتے ہیں ـــــ

دوستو! آپ یہاں دارالعلوم میں علم دین سیکھ رہے ہیں۔ اس علم دین کے منافع

کے لئے "یقین" ضروری ہے۔ اپنے یقین کو علم کے مطابق بنائیں۔ اسی طرح اپنے آپ کو اور ۲۴ گھنٹوں کے اعمال کو اس علم کے مطابق بنانا ضروری ہے۔ اور سب کچھ اُسی کی ذات سے وابستہ کردیں۔ جب ایسا ہو تو "غناء" کے دروازے کھل جائیں گے۔

اگر اس علم کے مطابق اس سے فائدہ لیں تو اللہ تعالیٰ اپنے خزانوں سے دے گا، بڑی نعمتیں دے گا، راضی ہو جائے گا، اونچا کرے گا۔۔۔۔

بھائیو! یہ تمام مخلوقات فانی ہے۔ عالم میں تغیر اور فساد آتا رہتا ہے۔۔۔۔

"علم" اس مخلوقات سے فائدہ حاصل کرنا نہیں بلکہ اس کی علم دینے والی ذات سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لاریب فیہ ط اب اگر تقویٰ و توکل اور صبر ہوگا تو زندگی بنے گی۔ یہ سب لاریب فیہ ط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف نقشے بتلائے۔ کہیں صنعت و حرفت کے خلاف نقشہ تبلایا۔ کہیں اور۔ لیکن اعمال کا نقشہ تبلاکر اُس کے ساتھ اپنی قدرت کا ذکر کیا۔۔۔۔

اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشآء و تنزع الملک ممن تشآء و تعز من تشآء و تذل من تشآء ط بیدک الخیر ط انک علیٰ کل شیٔ قدیر ط

سب چیزوں میں تغیر و تبدل اللہ تعالیٰ کرتے ہیں۔ کسی کی زندگی بناتے ہیں کسی کی بگاڑتے ہیں۔ لہٰذا اپنے اعمال کو چیزوں سے وابستہ نہ کریں۔ چیزیں مٹ جائیں تو ایسے اعمال بھی مٹ جائیں گے۔ بلکہ اعمال کے لئے "قدرت" کو نگاہوں میں رکھیں اور اعمال کو مرضیٔ قدرت کے تابع بنا دیں۔ جو عمل قدرت کی موافقت میں استعمال ہوگا وہ فائدہ دیگا۔

بھائیو! جہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم میں لگایا تو اس کے لئے "یقین و ایمان" ضروری ہے۔ مگر آجکل یہ رہا نہیں۔۔۔ زبانی یاد کر دیا۔۔۔ صحابہ کرامؓ کو یقین تھا۔ ایمان کامل تھا تو زہر بھی کھا کر دکھا دیا۔ جنگلوں میں گھس گئے۔ شیروں کی پرواہ نہ کی۔ یہ یقین و ایمان ہے جو آجکل نایاب ہے۔

علم کی افتتاح ایمانیات سے ہے۔ مکہ مکرمہ میں ابتداً صرف چار مسلمان تھے۔ تکالیف برداشت کیں۔ مگر وہ تبلیغ کرتے رہے۔ اس لئے کہ ایمانیات ان کو حاصل تھی۔ فرو عات اور حرام و حلال کا علم بعد میں آیا۔ پہلا سبق ان کو لا الٰہ الا اللہ کا ملا۔ یہ نقشہ اپناؤ تب تمام فتوحات حاصل ہوں گی۔ جب ایمان کامل تھا تو دوزخ کا بیان کرتے ہی آگ آنکھوں

کے سامنے آگئی۔ اسی طرح اگر جنت کا بیان ہوتا تو جنت سامنے آگئی۔ ایمانیات کا نقشہ جم جانے کے بعد اعمال آئے۔ یہ جو آپ علم حاصل کرتے ہیں یہ صرف وسائل ہیں۔ کہ وسائل کے بغیر مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ صرف و نحو۔ ادب وغیرہ "علم" کے لئے ضروری ہیں۔ مگر یہ علوم پڑھ کر آپ عالم نہیں بن گئے۔ بلکہ یہ علوم قرآن و حدیث کے وسائل اور رہبر ہیں۔ علم تو بڑھا مگر مشاہدات نہیں بڑھے، یقین نہیں بڑھا۔ "عمل اور یقین" حاصل ہونے کے بعد اسے اوروں تک پہنچانا ہے۔ کہ امت کے عمل کو صحابہؓ کے عمل اور ان کے یقین کو صحابہؓ کے یقین کے مطابق بنادیں۔ آج پھر جاہلیت والے ماحول نے اسلامی معاشرہ کو خراب کردیا ہے۔ باپردہ عورتیں بے پردہ ہوگئیں ---- پہلے زمانہ میں تعلیم امت کے اندر تھی اب اس طرح نہیں۔ وہ ایک دوسرے کا ادب کرتے تھے۔ ہر ایک یہ کہتا تھا کہ میرا استاد ہے۔ اس سے میں نے فلاں فلاں پڑھا۔ اس طرح وہ سود رشوت وغیرہ چھوڑ دیتے تھے۔ بُرے اعمال چھوڑ دیتے تھے۔ نیک اعمال کرتے تھے ---- جس طرح علماء آجکل طلباء کے استاد ہیں۔ پہلے ساری امت کے "استاد" تھے۔

طالب العلم بھائیو! اگر چھٹی کا وقت امت کی تعلیم میں صرف کردیا جائے تو بہتر ہوگا۔ سب سے پہلی تعلیم یہی تھی صحابہ کرامؓ کی۔ اگر تھوڑا تھوڑا کتابوں سے عملاً دہرائیں تو ایمانیات حاصل ہوں گی ----

ہمیں دنیا کے یقین کو ہٹاکر "خدائی یقین" اپنانا ہے۔ پالنے والا وہی ہے۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ ط۔ عبادت کا حق اسی کا ہے۔ اعمال کو پالنے والے بندوں سے خوش ہوکر انہیں پالتا ہے ---- اللہ تعالیٰ ہمیں یقین و عمل کی دولت نصیب فرمائے ---- آمین یا الہ العالمین ---- ٭

بقیہ: بیمۂ زندگی کی شرعی حیثیت

احتیاط کا پہلو راجح ہے۔ حضورؐ نے ایسے ہی معاملات کے بارے میں فرمایا ہے۔ کہ ما اجتمع الحلال والحرام الا وقد غلب الحرام علی الحلال۔ اسی سے علماء اصول حدیث اور اصول فقہ نے یہ قانون بنایا ہے۔ کہ بوقت تعارض محرم کو مُبیح پہ ترجیح حاصل ہوگی۔ فقط ----

خدا کی توحید پر دلیل عقلی

از قلم حضرت شیخ الحدیث مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ، خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامتہ مولانا تھانوی مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

ادارہ الحق حضرت مولانا مدظلہ کا ممنون ہے کہ انہوں نے ضعف ونقاہت اور بیماری کے باوجود ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخش کر مندرجہ ذیل مختصر مگر گرانمایہ رشحات قلم سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا موصوف کو صحت کاملہ وعافیت تامہ عطا فرمائے۔ (ادارہ)

اگر نعوذ باللہ متعدد معبود مثلاً دو فرض کئے جائیں تو ان میں سے کسی کا عاجز ہونا ممکن ہے یا دونوں کا قادر ہونا ضروری ہے۔ شق اول محال کیونکہ عجز منافی وجوب وجود۔ اور شق ثانی پر اگر ان میں سے ایک نے کسی امر مثلاً ایجاد زید کا ارادہ کیا۔ تو دوسرا اس کے خلاف کا ارادہ کر سکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں کر سکتا۔ تو اس کا عجز لازم آئے گا جو منافی وجوب وجود کے ہے۔ اگر کر سکتا ہے تو اس پر ترتب مراد کا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر ضروری نہیں تو تخلف مراد کا ارادہ قادر مطلق سے لازم آئے گا۔ جو کہ محال ہے۔ اگر ضروری ہے تو مختلف مرادوں کا اجتماع لازم آئے گا۔ کیونکہ ایک واجب کے ارادہ پر ایک مراد مرتب ہوئی اور دوسرے واجب کے ارادہ پر دوسری مراد اس مراد اول کی ضد مرتب ہوئی۔ اور اجتماع ضدین لازم آیا۔ اور یہ محال ہے۔ اور امر مستلزم محال کو محال ہے تو تعدد واجب کا محال ہے۔ پس وحدت واجب ثابت ہوئی وہو المطلوب۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لوکان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا۔ الآیۃ" یعنی زمین اور آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود واجب الوجود ہوتا تو دونوں کبھی کے درہم برہم ہو جاتے ——" کیونکہ عادتاً دونوں ارادوں اور افعال میں تزاحم ہوتا۔ اور اس کے لئے فساد لازم ہے۔ لیکن فساد واقع نہیں ہے۔ اس لئے تعدد آلہہ بھی منفی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ دونوں خدا آپس میں صلح اور مشورے سے کام کر لیا کریں تو یہ فساد نہ ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس صلح اور مشورہ کی احتیاج اور ضرورت خدا کے لئے کیوں پڑی۔ صلح تو اسی وقت کی جاتی ہے جب کوئی اپنے مخالف پر غلبہ پانے سے مجبور اور عاجز ہو جاتا ہے۔ اور عاجز ہونا یا محتاج ہونا خدا کی شان کے خلاف ہے ——

(از قلم خیر محمد عفا اللہ عنہ، از ملتان)

اسلامی جہاد کی اہمیت اور اُسکے اصول

مولانا قاری سعید الرحمٰن خطیب، جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر
(صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ خلیفہ حضرت تھانویؒ سابق صدر مظاہر العلوم)

اسلام صرف چند عبادتوں کا مجموعہ نہیں۔ اور نہ صرف اعتقادات کی حد تک اس کی تعلیم محدود ہے۔ بلکہ وہ اپنے پیروکاروں کو عقائد، عبادات، معاملات، تہذیب و تمدّن اور امن و جنگ کے سب مسائل سکھلاتا ہے۔ ہم نے اپنے مذہب کو صرف چند رسومات کا مجموعہ سمجھ لیا ہے۔ اور یہ درحقیقت اس پروپیگنڈا کا اثر ہے جو یورپ مذہب کے بارے میں کرتا رہا ہے۔ کہ مذہب انسان کا ایک نجی فعل ہے جس کا دائرہ صرف اس کی ذات تک محدود ہے۔ اجتماعی امور اور عمرانیات وغیرہ میں یورپ مذہب کی دخل اندازی گوارا نہیں کرتا۔ ہمارے لئے ہر معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نمونہ ہے۔ آپؐ نے زندگی کے ہر معاملہ میں امّت کے لئے واضح تعلیمات چھوڑی ہیں ——

اس وقت ہمارا ملک ہندوستانی سامراج کا شکار ہے۔ ہندوستان اپنی قوت اور فوجی ساز و سامان کی کثرت اور افرادی طاقت کی وجہ سے وہ ہمارے ملک پر حملہ آور ہوا ہے۔ اس کی حیثیت ظالم کی ہے، اور ہماری مظلوم کی۔ اس وقت ہم کو اپنی پوری قوت سے اس سامراج کا مقابلہ کرنا ہے۔ اور قوم میں روح جہاد پھونک کر کفر کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا عزم کرنا ہے۔ کافر سے مسلمان کی جنگ ایک عظیم مقصد کے لئے ہوتی ہے۔ وہ خدا کے کلمہ کو سر بلند کرنے، اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کی مدد اور استبدادی پنجوں میں جکڑے ہوئے غلام مسلمانوں کو آزاد کرانے کی خاطر میدانِ جنگ میں کودتا ہے۔ اور جس قوم کے یہ مقاصد ہوں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد اس کی شامل حال ہوتی ہے۔

کفر اور اسلام کا پہلا مقابلہ بدر کے میدان میں ہوا۔ اس معرکہ میں جس محیر العقول طریقہ سے کفر کے زور کو توڑا گیا۔ اور جس بہادری اور بے جگری سے مسلمانوں نے جنگ کی اور پھر جن غیبی طریقوں سے اللہ تعالیٰ مدد مسلمانوں کو ملتی رہی۔ یہ درحقیقت اسلامی تعلیمات پر عمل کا نتیجہ تھا ــــــــ

کامیابی کے اصول

بدر کی جنگ شروع ہونے سے قبل اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی کے چند اصول تلائے اور حکم دیا کہ کفر کی طاقت کو توڑنے کے لئے تم کو ان اصولوں پر سختی سے کاربند رہنا چاہیئے ـــــــ آج ہماری بھی ہندوستان سے پہلی ہمہ گیر جنگ ہے۔ جو کسی ایک محاذ پر محدود نہیں۔ آئیے! ہم ان اصولوں پر پھر غور کریں جن پر عمل کر کے صحابہؓ کرام نے پہلی جنگ میں عظیم کامیابی حاصل کی ــــــــ

سورۂ انفال میں خدا کا ارشاد ہے:

یاایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئۃ	اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کسی فوج
فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم	سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو
تفلحون واطیعوا اللہ ورسولہ	تاکہ تم مراد پاؤ۔ اور حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول
ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب	کا۔ اور آپس میں نہ جھگڑو۔ پس نامرد ہو جاؤ گے
ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین	اور جاتی رہے گی تمہاری۔ اور صبر کرو۔ بیشک
ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم	اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور نہ
بطرا ورئاء الناس ویصدون عن	ہو جاؤ ان جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے
سبیل اللہ واللہ بما تعملون محیط۔	اتراتے ہوئے۔ اور لوگوں کو دکھانے کو اور

روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

ثابت قدمی

ان آیتوں میں سب سے پہلے ثابت قدمی کا ذکر ہے۔ کسی قوم کی کامیابی کا راز عموماً اس کی ثابت قدمی جرات و بہادری پر ہے۔ مسلمان چونکہ ایک عظیم مقصد کے لئے لڑتا ہے، اس لئے پیچھے ہٹنا یا پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا یا دشمن سے مرعوب ہو جانا ان سب باتوں سے وہ ناآشنا ہے۔ قرآن کی دوسری آیت پر غور فرمائیے:

یاایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم الذین	اے ایمان والو! جب مقابلہ کرو تم کافروں
کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار ومن	سے میدانِ جنگ میں تو مت پھیرو ان سے

یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال	پیٹھ، اور جو کوئی پھیرے ان سے پیٹھ اس
او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب	دن مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی یا جا ملتا ہو فوج
من اللہ وماواہ جھنم وبئس المصیر	میں سو وہ پھر اللہ کا غضب لیکر۔ اور اس کا

ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ـــــــ

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ بغیر کسی جنگی مصلحت کے محض دشمن کے خوف سے پیچھے ہٹنا خدا کے غضب کے مستحق ہونے اور جہنم میں جانے کا سبب ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یا رسول اللہ	سات ہلاک کرنیوالی چیزوں سے بچو۔ صحابہ
وما ھن قال الشرک باللہ والسحر	نے عرض کیا وہ کون سی سات چیزیں ہیں۔
وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق	آپ نے فرمایا، ۱۔ شرک۔ ۲۔ سحر۔ ۳۔ قتل
واکل الربوا واکل مال الیتیم والتولی	۴۔ سود کھانا۔ ۵۔ یتیم کا مال کھانا۔ ۶۔ جنگ کے
یوم الزحف وقذف المحصنات	وقت پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا۔ ۷۔ معصوم عورتوں
المؤمنات الغافلات۔ (متفق علیہ)	پہ بہتان لگانا۔

حدیث کے لفظ "الموبقات" سے اس امر کیطرف اشارہ ہے۔ کہ یہ سات چیزیں اپنے اندر ہلاکت آفرینیوں کا سامان رکھتی ہیں۔ چھٹے نمبر کو دیکھئے، دشمن سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا اتنا سنگین جرم ہے۔ کہ اس سے صرف اسی کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ پوری فوج بددلی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسلام نے سختی سے مجاہدین کو اس حرکت سے منع کیا ہے ـــــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگیاں ثابت قدمی کا بہترین نمونہ ہیں۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ گھمسان کے دن میں اگر ہمیں پناہ ملتی تو حضورؐ کے یہاں ملتی۔ غزوہ حنین کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شجاعانہ نعرہ انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبد المطلب۔ نے بکھرے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر لیا۔ غزوہ موتہ کے موقع پر حضرت طیارؓ و دیگر صحابہ کے کارنامے ہمارے لئے سبق آموز ہیں ـــــــ

دور خلافت عمرؓ کا ایک واقعہ پڑھئے۔ حضرت سعدؓ کی زیر سرکردگی جب مسلمانوں کی فوجیں ایرانیوں کو قادسیہ، بابل، اور بہرہ شہر میں شکست دیتی ہوئی مدائن کی طرف بڑھیں تو درمیان میں دریائے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل باندھے ہوئے تھے توڑ کر

بیکار کر دیئے تھے۔ سعدؓ جب دجلہ کے کنارے پہنچے تو نہ پل تھا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کر لو تو مطلع صاف ہے۔ یہ کہہ کر دریا میں گھوڑا ڈال دیا۔ ان کو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی اور سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دریا اگرچہ نہایت ذخار اور مواج تھا۔ لیکن ہمت و جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آآکر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملائے آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ یمین و یسار کی جو ترتیب تھی اس میں بھی فرق نہیں آیا۔ دوسرے کنارے پہ ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آگئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن ہیں۔ چنانچہ دیوان آمدند، دیوان آمدند کہتے ہوئے بھاگے۔

۲۔ یرموک کی لڑائی میں حباشؓ بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے، بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثنا میں کسی نے ان کے پاؤں پہ تلوار ماری۔ اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ حباشؓ کو خبر تک نہ ہوئی، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈنے لگے کہ میرا پاؤں کیا ہوا۔ ان کے قبیلے کے لوگ ہمیشہ اس واقعہ پہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ سوار بن وقی ایک شاعر نے کہا ؎

ومنا ابن عتاب وناشد رجلہٗ ومنا الذی ادی الی الحی حاجبا

ذکر اللہ دوسرا اصول جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ذکر اللہ ہے۔ خدا کی یاد اور اللہ کا ذکر تو ہر وقت ہونا چاہیئے۔ لیکن ہنگامی حالات اور جہاد کے وقت خدا کا ذکر بہت زیادہ کرنا چاہیئے۔ اسی لئے یہاں لفظ کثیراً بڑھایا گیا ہے۔ خدا کے ذکر کو مسلمانوں کی کامیابی میں بڑا دخل ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑا ہتھیار ہے جس سے غیر مسلم محروم ہے۔ اللہ کے ذکر سے دل میں جمعیت اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ اور قلبی طمانیت سے جنگ بہتر طریقہ سے لڑی جا سکتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

الذین آمنوا وتطمئن قلوبھم	وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے
بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب	ہیں ان کے دل اللہ کی یاد سے۔ یاد رکھو

اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں، دل ———

غزوہ بدر کے موقع پہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں آپؐ کا حال معلوم کرنے گیا۔ دیکھا کہ آپ سجدہ میں یا حی یا قیوم پڑھ رہے ہیں۔ چار بار میں آیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ دعائیہ کلمات پڑھتے ہوئے پایا۔
بات دراصل یہ ہے۔ کہ مسلمان کی جنگ خدا کی رضا کے لئے ہوتی ہے۔ وہ جتنا بھی اللہ کو یاد کرے گا۔ اتنا ہی اللہ کی رحمت شاملِ حال ہو گی۔

حضرت گنگوہیؒ

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو جب ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں گرفتار کر کے انگریز حاکم کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ حاکم نے مختلف سوالات آپ سے کئے۔ اور آپ نے حقیقتِ حال کے موافق جوابات دئیے۔ حاکم نے سوال کیا۔ "رشید احمد تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا"؟ آپ نے جواب دیا۔ "ہمارا کام فساد کا نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی ہیں۔" حاکم نے سوال کیا۔ "تم نے سرکار کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے"؟ آپ نے اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "ہمارا ہتھیار تو یہ ہے۔" اس جواب کا مقصد یہ تھا۔ کہ مومن کے پاس خدا کی یاد ایک بہت بڑا ہتھیار ہے۔

مسلمانوں کی موثر نماز

یرموک کی لڑائی شروع ہونے سے قبل رومیوں کے سردار باہان نے ایک سفیر جارج حضرت ابوعبیدہ کے پاس بھیجا۔
قاصد جارج جس وقت پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس ذوق و شوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے۔ اور جس محویت سکون و وقار ادب و خضوع سے انہوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ مسلمانوں کی یہی "ذکر اللہ" کی ادا دیکھ کر اس سے نہ رہا گیا۔ اور ابوعبیدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ سوالات کر کے کلمۂ توحید پڑھ کے مسلمان ہو گیا۔

اطاعتِ خدا و رسول

تیسرا اصول خدا اور رسول کی اطاعت ہے۔ خدا اور رسول کی فرمانبرداری ہر وقت فرض اور ضروری ہے۔ مگر جنگ کے دوران اسکی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ہم اگر خدا کی مدد کے خواستگار ہیں۔ تو اس کے احکام پر چلنا ہو گا۔ خدا کی نصرت کے وعدے سب اس کی اطاعت پر موقوف ہیں۔ جب ہم جنگ اسکی رضا کے لئے لڑ رہے ہیں۔ تو اس کے احکام کو ماننا بھی ہمارے لئے ضروری ہو گا۔ جنگ کے دوران خدا اور رسول کے احکام کی معمولی سی خلاف ورزی بھی فتح کو شکست سے بدل دیتی ہے۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کی ہزیمت کے جن اسباب کا ذکر سورۂ آل عمران میں ہے۔ ان میں اہم ترین سبب یہ ہے۔ وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون۔ (اور تم نے نافرمانی کی

بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تیر اندازوں کو خاص جگہ پہ متعین فرمایا۔ انہوں نے آپ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اس مورچہ کو چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے تو اس گروہ کی خلاف ورزی سے ساری فوج کی کامیابی ناکامی میں بدل گئی۔ اور ستر جلیل القدر صحابہ کرام کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

غزوہ احزاب سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس صبح کے وقت مدینہ تشریف لائے تو ظہر کے وقت حضرت جبرئیل جنگی لباس پہنے ہوئے تشریف لائے۔ اور حضورؐ سے مخاطب ہوئے۔ اوقد وضعت السلاح یارسول اللہ۔ کیا آپ نے ہتھیار رکھ لئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ جبرئیل نے فرمایا میں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔ حضورؐ نے فرمایا اب کہاں کا ارادہ ہے۔ جبرئیل نے فرمایا کہ اللہ کا حکم ہے کہ یہود کے قبیلہ بنو قریظہ کا قلع قمع کرنا ہے۔ حضورؐ نے منادی کا حکم دیا کہ مدینہ میں یہ آواز دو من کان سامعاً مطیعاً فلا یصلین العصر الا فی بنی قریظہ۔ (جو بھی حکم سننے والا اور فرمانبردار ہو وہ آج عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے) لفظ سامعاً و مطیعاً قابلِ غور ہے۔ صحابہ کرامؓ تھکے ہوئے پندرہ روزہ جنگی مہم "خندق" سے ابھی واپس ہوئے تھے۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے دوبارہ فوراً جنگ کی اپیل کی گئی تو سب صحابہ کرامؓ اطاعت کا ثبوت دیتے ہوئے چل پڑے ——

چوتھا اصول اتحاد

چوتھا اصول اتحاد اور تفرقہ اندازی سے اجتناب ہے۔ درحقیقت دشمن پر رعب جب طاری ہوگا کہ ہم آپس میں متحد و متفق رہیں۔ اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کفار کا مقابلہ کریں۔ خدا کو بھی ان ہی لوگوں سے محبت ہے۔ جو متفقہ طور پر دشمن کا مقابلہ کریں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

ان اللہ یحب الذین یقاتلون	اللہ چاہتا ہے ان لوگوں کو جو لڑتے ہیں اسکی
فی سبیلہ صفا کانہم بنیان	راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی
مرصوص۔	ہوئی دیوار ہیں۔

اگر ہم نے اتفاق و اتحاد سے دشمن کا مقابلہ نہ کیا۔ اور آپس میں اختلافات ہو گئے تو قرآن نے خود اس کے بُرے نتائج سے ہم کو آگاہ کیا ہے۔ کہ فتفشلوا وتذھب ریحکم (پس نامرد اور بزدل ہو جاؤ گے۔ اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا) غزوہ احد کے اسباب ہزیمت میں ارشاد ہے

حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر۔ (یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا) مسلمانوں کا ہمیشہ شعار رہا ہے۔ کہ وہ متحد و متفق ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور اپنی صفوں میں خلفشار سے احتراز کرتے ہیں۔ ۸ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "ذات السلاسل" کی طرف "قضاعہ" کی سرکوبی کے لئے حضرت عمرو بن العاص رض کو تین سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ حضرت عمرو بن العاص جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ کفار کی جماعت بہت زیادہ ہے۔ رافع بن مکیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مزید امداد طلب کرنے کے لئے بھیجا۔ آپؐ نے حضرت ابو عبیدہؓ کی سرکردگی میں دو سو صحابہ کا لشکر روانہ فرمایا۔ جس میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے۔ آپؐ نے ابو عبیدہؓ کو رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی۔۔۔

ان تکونا جمیعاً ولا تختلفا۔ (کہ تم دونوں اتفاق سے کام چلانا۔ اختلاف مت پیدا کرنا۔) نماز کا وقت ہو گیا۔ ابو عبیدہ نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھنے لگے۔ عمرو بن العاص نے فرمایا۔ امیر میں ہوں آپ کو صرف مدد کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ابو عبیدہؓ نے فرمایا نہیں تم اپنی فوج کے امیر اور میں اپنی فوج کا امیر۔ ابو عبیدہؓ حالات کی نزاکت کو سمجھ گئے۔ اور عمرو سے مخاطب ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے کہ آپس میں اختلاف مت کرو۔ میں آپؐ کے حکم کے مطابق چلوں گا۔ چنانچہ عمروؓ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی اور ان کی زیر سرکردگی یہ معرکہ سرانجام ہوا۔

حضرت عمرؓ نے جب حضرت خالدؓ کو معزول کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو حضرت ابو عبیدہؓ کو خط لکھا کہ خالد کے فیاضانہ اخراجات کے بارے میں ان سے پوچھو۔ کہ یہ اپنی گرہ سے کرتے ہیں تو یہ اسراف ہے۔ اور اگر بیت المال سے کرتے ہیں تو خیانت ہے۔ دونوں معزولی کے لائق ہیں۔ خالد جس کیفیت سے معزول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے۔ قاصد نے جو معزولی کا خط لیکر آیا تھا مجمع عام میں خالد سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ ان سے درگذر کی جائے۔ لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر اُن کے سر سے ٹوپی اتار لی۔ اور ان کی سرتابی کی سزا کیلئے انہی کے عمامہ سے انکی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ کہ ایسا سپہ سالار جس کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس سے ایک طرف تو خالد کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے۔ اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کی سطوت و

جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور تیسرے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے۔ کہ مسلمان کس طرح اتحاد و اتفاق سے اپنے مسائل حل کر لیتے ہیں۔ اتنے بڑے عظیم فوجی جرنیل کی طرف سے کس قدر اتحاد کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

صبر پانچواں اصول صبر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جنگ میں تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک مومن ان سب پریشانیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔ وہ ہمت نہیں ہارتا۔ جانی اور مالی نقصان پر اللہ کی طرف سے انعام کا یقین رکھتا ہے۔ اس کو پہلے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجھے اِن سب مشکل راستوں سے گذرنا پڑے گا۔ مگر وہ اللہ کی طرف کئے ہوئے وعدوں پر ایمان رکھتے ہوئے ہمت و استقلال سے مردانہ وار مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے۔

فحل کے محاذ پر جب رومیوں اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے ساری فوج کا چکر لگایا اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہتے :

عباد اللّٰہ استوجبوا من اللّٰہ النصر	اے خدا کے بندو۔ خدا سے مدد چاہتے ہو
بالصبر فان اللّٰہ مع الصابرین۔	تو صبر کرو۔ کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کیساتھ ہے۔

تکبّر سے احتراز چھٹا اصول فخر و غرور اور نمود و نمائش سے احتراز ہے۔ اسلام میں جہاد محض ہنگامۂ کشت و خون نہیں بلکہ عظیم الشان عبادت ہے۔ عبادت کو دکھانے یا غرور کے لئے کرے تو وہ قبول نہیں۔ فخر و غرور اور ظاہری نمود و نمائش کافروں کا شیوہ ہے۔

ابوجہل غزوہ بدر کے موقع پر بڑے دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ نکلا تھا۔ تاکہ مسلمان مرعوب ہو جائیں اور دوسرے قبائل پر دھاک بیٹھ جائے۔ راستہ میں اسکو ابوسفیان کا پیام ملا کہ قافلہ سخت خطرہ سے بچ نکلا ہے۔ اب تم مکّہ کو لوٹ جاؤ۔ ابوجہل نے نہایت غرور سے کہا کہ ہم اس وقت واپس جا سکتے ہیں۔ جبکہ بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب و نشاط منعقد کر لیں۔ گانے والی عورتیں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں۔ شرابیں پیئیں۔ مزے اڑائیں۔ اور تین دن تک اونٹ ذبح کر کے قبائل عرب کی ضیافت کی جائے۔ تاکہ یہ دن عرب میں ہمیشہ یاد رہے ــــــ ابوجہل کے ایک ایک لفظ سے غرور و تکبّر ٹپک رہا ہے۔ وہ اپنے ساز و سامان اور قوت میں سرشار ہو کر اپنی بڑائی کا اعلان کر رہا ہے۔ کفر کا یہ خاصہ ہے۔ کہ وہ مادّی وسائل پر

مغرور ہو کر مظلوم و مقہور قوموں پر دست اندازی کرتا ہے۔ مسلمانوں کو اس چیز سے سختی سے روکا ہے۔ کہ تم یہ مقہور یہ تکبر اور فخر و غرور کے کلمات زبان سے مت نکالو۔ بلکہ خدا کے سامنے عجز و انکساری اختیار کرو۔ اور اس کے رحم و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے جاؤ کفر نے جب تعلی اور تکبر کا انداز اختیار کیا ہے۔ شکست اس کے لئے مقدر ہو گئی ہے۔

آج پھر ہندوستان کافروں کے اس نعرہ غرور و تکبر کو اونچا کرتے ہوئے مسلمانوں کو للکار رہا ہے۔ وہ اپنے مغربی دوستوں سے حاصل کئے ہوئے بے پناہ اسلحہ کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اور پاکستان پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ جس طرح ہمارے اسلاف نے گذشتہ زمانوں میں کافروں کے منصوبوں کو خاک میں ملایا ہے۔ آج بھی مسلمان انشاء اللہ اس کافر قوم کو شکست دے کر چھوڑے گا۔

ہندو قوم کی ذہنیت کا اندازہ ہمیں اٹھارہ سال سے ہو رہا ہے۔ اس قوم کا فلسفہ عجیب ہے۔ مظلوم و مجبور اقلیتوں پر مظالم ڈھا کر ہندو اپنی بہادری کا سکہ جماتے ہیں۔ عیاری اور مکاری سے امریکہ اور یورپین ممالک سے بے پناہ اسلحہ چین کا نام لے کر حاصل کر لیا ہے۔ اب وہ اسلحہ پاکستان کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ مظلوم اور مجبور مسلمان جو چھ کروڑ کی تعداد میں وہاں بستے ہیں ان پر آئے دن ظلم کرنا ان کا مشغلہ اور کھیل ہے۔ ہاں اگر کوئی عظیم طاقت ان پر مسلط ہو جائے تو دم دبا کر بھاگتے ہیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اس کے اپنے قوانین ہیں۔ بین الاقوامی کا لحاظ تو درکنار اپنے کئے ہوئے وعدوں کا جلدی سے بھلا دینا یہ اس کا آئے دن شیوہ ہے ـــــ اب سے چودہ سو سال قبل ہندو ذہنیت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے:

سنہ ھ ربیع الاول کے مہینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو چار سو صحابہ کا لشکر دے کر نجران میں قبیلہ بنو حارث بن کعب کے پاس بھیجا۔ آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ تین بار نجران کے ان عیسائیوں کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر اسلام لے آئیں تو کچھ نہ کہو بلکہ اسلام کی تعلیم ان کو دے دو۔ اور اگر نہ مانیں تو پھر ان سے جہاد کرو۔ حضرت خالد نجران آئے اور اسلام کی دعوت ان کو دی۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ـــــ خالد نے اس کی اطلاع بارگاہ نبوت میں دے دی۔ کہ یہ قوم مسلمان ہو چکی ہے۔ آپؐ نے خالد کو جواب تحریر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اللہ نے اس قوم کو ہدایت دی۔ اور حکم دیا کہ تم بھی واپس آجاؤ۔ اور بنو حارث

کا ایک وفد بھی تمہارے ہمراہ آجائے۔ حضرت خالد روانہ ہوئے ان کے ہمراہ بنو حارث کا چھ ارکان پر مشتمل ایک وفد بھی تھا۔ جب یہ مدینہ پہنچے تو حضورؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: من هؤلاء القوم کانهم رجال الهند۔ (یہ کون لوگ ہیں۔ یہ تو گویا ہندوستان کے رہنے والے معلوم ہوتے ہیں۔) عرض کیا گیا حضرت یہ بنو حارث قبیلہ کے لوگ ہیں۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے کلمہ پڑھا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: انتم الذین اذا زجروا استقدموا۔ (تم وہ لوگ ہو جب تم پہ دباؤ ڈالا جائے تو تمہارے پاس آتے ہو۔) ان میں سے کسی نے جواب نہیں دیا۔ حضورؐ نے چار مرتبہ یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ چوتھی مرتبہ وفد کے رکن یزید بن عبد المدان نے جواب دیا: نحن الذین اذا زجرنا استقدمنا۔ (واقعی ہم ایسے لوگ ہیں کہ بغیر دباؤ ڈالے ہم نہیں آتے۔) چار مرتبہ انہوں نے یہ الفاظ دہرائے۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو ان خالد بن الولید لم یکتب	اگر خالد تمہارے بغیر قتال کے اسلام کی اطلاع
الیّ فیکم انکم اسلمتم ولم	نہ دیتے تو تمہارے سروں کو تمہارے قدموں
تقاتلوا الالقیت رؤسکم تحت	کے نیچے ڈال دیتا۔
اقدامکم۔	

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندو ذہنیت کا جو تجزیہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔ ہندو ذہنیت مظلوم پر ظلم روا رکھتا ہے۔ اور اپنے سے برتر کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ ہندو قوم سے کوئی خیر کی توقع نہیں ہے۔ مسلمانوں کی عالی حوصلگی دیکھئے ایک ہزار سال تک انہوں نے ہندوستان پہ حکومت کی۔ مگر عدل وانصاف اور اسلامی مساوات کے اصولوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

ہندوؤں نے اپنی چند سالہ حکومت میں یہ دکھلا دیا کہ ان کے ہاں کوئی اصول نہیں۔ اور حکومت کے لئے جو بلند حوصلگی اور عالی ظرفی ضروری ہوتی ہے۔ یہ اس سے محروم ہے۔

آئیے! اس نئے سامراج کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم ان چھ اصولوں پہ عمل کریں جن پہ عمل کرنے سے اللہ کی طرف سے کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے۔ وہ چھ اصول یہ ہیں:-

۱۔ ثابت قدمی ۲۔ خدا کا ذکر ۳۔ خدا اور رسول کی اطاعت ۴۔ اتحاد و اتفاق

۵۔ صبر ۶۔ فخر و غرور اور نمود و نمائش سے احتراز۔

بیمۂ زندگی کی شرعی حیثیت

بیمہ کی شرعی حیثیت کے بارہ میں پچھلے دنوں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کراچی کا ماہنامہ "بینات" میں طویل مقالہ آچکا ہے۔ اور "الفرقان" لکھنؤ میں بھی اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کچھ عرصہ قبل اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دارالعلوم کے دارالافتاء سے بھی دیا گیا تھا۔ جس سے مسئلہ کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ امید ہے اہل علم حضرات اس مسئلہ کی فقہی اور شرعی حیثیت پر اظہار خیال فرمادیں گے تاکہ مسئلہ کی متفقہ تنقیح ہو سکے۔

قاضی انوار الدین غفرلہٗ - دارالافتاء دارالعلوم

سوال ــــ السلام علیکم۔ مندرجہ ذیل باتوں کے متعلق قرآن و حدیث کے احکام کے مطابق تفصیل سے جواب تحریر فرمادیں مہربانی ہوگی ــــ یہاں پر تمام ملک میں ایسی کمپنیاں ہیں جو کہ آدمی کو انشورنس (بیمہ) کرکے اس سے اپنے قواعد کے مطابق جو خرچ ہوتا ہے وہ لیکر اسکو اس کے بعد اس معینّہ مدت کے اندر یہ ذمہ داری لیتے ہیں۔ کہ اگر اس کو کچھ نقصان ہو یا مرجائے تو اس کو ایک اچھی خاصی رقم جتنی کہ اس طرح پالیسی کرتے وقت عائد ہوچکی ہوتی ہے۔ اس کے باقیماندہ وارثوں کو دے دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں پر کام بھی تب ملتا ہے کہ گورنمنٹ کے قانون کے مطابق پہلے انشورنس کر دیا جائے۔ آپ از راہ کرم اس کے متعلق پوری تفصیل لکھیں کہ اس قسم کی چیزوں سے اسلامی قوانین کی کسی طرح خلاف ورزی ہوتی ہے یا نہیں۔ امید ہے آپ اسکی پوری تحقیق کرکے ہمیں اچھی طرح آگاہ کریں گے۔ ہماری کمیٹی کی طرف سے آپ تمام بزرگوں کو سلام مسنون قبول ہو ــــ منجانب: الحاج حافظ عزیز الرحمن صاحب شفیلڈ انگلینڈ ــــ محمڈن جامع مسجد کمیٹی ۱۲ انڈسٹری روڈ شفیلڈ ۹ یو۔کے۔

الجواب: ــــ ہمارے علم کی حد تک بیمۂ زندگی کی جو کچھ حقیقت ہے وہ یہ ہے۔ کہ یہ

بیمہ اشخاص اور کمپنیوں کے درمیان ایک خاص قسم کا معاملہ اور عقد ہے۔ جس میں افراد اور کمپنیوں کے مابین ان کے قوانین کے تحت حسب ذیل چند امور طے پاتے ہیں ——

۱ —— بیمہ دار شخص ایک معین مقدار کی رقم (مثلاً ایک ہزار روپیہ) معینہ مدت مثلاً ایک سال یا دو سال تک بالاقساط ادا کرتا ہے۔ اور کمپنیاں اس کو معینہ منافع سالانہ پیش کرتی ہیں ——

۲ —— یہ رقم کمپنیاں جس کام میں چاہیں صرف کر لیتی ہیں خواہ وہ کام جائز ہوں جیسے عمارات وغیرہ۔ یا ناجائز ہوں جیسے سودی لین دین کے معاملات ——

۳ —— بیمہ شدہ شخص اگر معینہ مدت تک بقید حیات رہے۔ اور پوری معین رقم بالاقساط اس نے کمپنی کو ادا کر دی تو وہ کمپنی سے یکمشت یا بالاقساط مجموعہ رقم سے زائد زر بیمہ لینے کا حقدار ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ مقررہ مدت سے پہلے مرجائے تو اس بیمہ کا مستحق اس کے ورثاء میں سے وہ شخص ہوگا۔ جو اس نے نامزد کیا ہو۔

۴ —— بالفرض اگر بیمہ دار شخص معینہ مدت سے قبل اقساط کی ادائیگی کو بند کر کے عقد بیمہ کو فسخ کرنا چاہے تو جتنی رقم اس نے بالاقساط کمپنی کو ادا کی ہے، اس کی مالک کمپنی ہوگی۔ اور اسکو وہ رقم واپس نہیں ملے گی۔ اگر درحقیقت بیمۂ زندگی کی حقیقت یہی ہو جیسا کہ ہمارا خیال ہے۔ تو اس کو ہم مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں ۔۔

وجہ اوّل —— پہلی وجہ یہ ہے کہ اس عقد میں ایک طرف سود پایا جاتا ہے۔ کیونکہ کمپنی اس کو سالانہ معینہ منافع پیش کرتی ہے۔ نیز معینہ مدت تک زندہ رہنے اور تمام اقساط ادا کرنے کی صورت میں بیمہ دار شخص اقساط کی مجموعہ رقم سے زائد زر بیمہ لینے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور کمپنی سے وہ اس کو یکمشت بھی لے سکتا ہے اور بالاقساط بھی۔ اور یہ سود کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں ہو سکتی ——

وجہ دوم —— دوسری طرف یہ عقد میسر اور قمار (جوا) پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اگر بیمہ دار شخص معینہ مدت سے پہلے مرجائے تو اس صورت میں ایک خطیر رقم کا مالک وہ شخص بن جاتا ہے جو بیمہ دار شخص نے کمپنی کے سامنے نامزد کیا ہے۔ اور اس میں میسر اور قمار کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں محض ایک امر اتفاقی کی وجہ سے کثیر رقم نامزد شدہ شخص کی ملک میں آگئی۔ یعنی میسر اور قمار میں آجاتی ہے۔ اور چونکہ اسلامی شریعت نے سود اور

قمار کو قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا بیمہ زندگی کا یہ عقد بھی ان دونوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر بیمہ دار شخص معینہ مدت سے قبل عقد بیمہ کو فسخ کر کے اقساط کی ادائیگی کو روکنا چاہے تو اس صورت میں کمپنی اس تمام رقم کی مالک قرار پائے گی۔ جو اقساط کی صورت میں اس نے کمپنی کو ادا کی ہے۔ اور یہ بھی قمار ہے ——

وجہ سوم —— عقد بیمہ کے ناجائز اور حرام ہونے کے لئے تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں بیمہ دار شخص کی موت کی صورت میں کمپنی کو اسکی ادا کردہ تمام رقم کا مالک صرف وہ شخص ہوتا ہے۔ جو اس نے نامزد کیا ہے۔ اور باقی تمام ورثاء اس رقم سے یکسر محروم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی قانون وراثت کی رو سے اس رقم میں وہ تمام ورثاء بھی حقدار ہیں جو شرعاً اس کے جائز ورثاء ہوں۔ اس بناء پر اس عقد میں بعض تقادیر پر شرعی قانون وراثت کی صریح طور پر خلاف ورزی بھی پائی جاتی ہے۔ جو یقیناً ناجائز ہے۔

وجہ چہارم —— مندرجہ بالا وجوہات کے علاوہ اس عقد بیمہ کے حرام اور ناجائز ہونے کے لئے چوتھی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ اس میں کمپنی کے ساتھ تعاون علی الاثم والعدوان بھی پایا جاتا ہے۔ جو قرآن کریم کی رو سے حرام اور ناجائز ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کیونکہ کمپنی از روئے قانون اس بات کی پابند نہیں ہے۔ کہ اس رقم کو وہ لازماً جائز اور مباح کاموں میں صرف کریگی۔ بلکہ وہ اس کو سودی لین دین کے معاملات میں بھی صرف کر سکتی ہے۔

بہر حال شرعی قوانین اور احکام کی روشنی میں بیمہ زندگی کے بارہ میں ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ مندرجہ بالا چار وجوہات کی بناء پر جائز عقد نہیں۔ بلکہ حرام ہے ——

ایک اشکال اور اس کا جواب

ہو سکتا ہے کہ ہمارے مندرجہ بالا معروضات پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ بیمہ زندگی کا یہ عقد اور معاملہ عقد مضاربت کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ کیونکہ جیسی طرح مضاربت میں ایک طرف سے سرمایہ ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف سے محنت اور منافع رب المال اور مضارب دونوں کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیمہ زندگی میں بھی بیمہ شدہ شخص کی طرف سے سرمایہ ہوتا ہے۔ اور کمپنی کی طرف سے محنت اور منافع سرمایہ کار اور کمپنی دونوں کے درمیان تقسیم کئے جاتے ہیں۔ تو کیوں نہ ہم

عقدِ بیمہ کو مضاربت کی طرح جائز قرار دیں ـــــــ

جواب ـــــــ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ "بیمہ زندگی" کا معاملہ عقود جدیدہ میں سے ہے اور شریعت میں اس کے متعلق کوئی صریح نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور اس قسم کے معاملات کے احکام معلوم کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ایسے جدید معاملات کو کسی ایسے عقد اور معاملہ سے ملحق کیا جائے جس میں شریعت نے اپنا کوئی منصوص حکم بیان کیا ہو اور جس کے ساتھ یہ جدید قسم کے عقود اور معاملات زیادہ مشابہت رکھتے ہوں۔ اسی طرح منصوص معاملات اور عقود میں سے جو بھی عقد اور معاملہ مل جائے گا۔ جس سے جدید معاملات اور عقود زیادہ مشابہ اور مطابق ہوں تو دونوں پر ایک قسم کا حکم جاری کیا جائے گا۔ مگر یہاں مصیبت یہ ہے کہ بیمۂ زندگی کا الحاق عقد مضاربت سے حسب ذیل چند وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ بظاہر دونوں کے درمیان مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دونوں ایک نوعیت کے معاملات اور عقود ہیں اور دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیئے۔ جن وجوہ سے ہم اس الحاق کو صحیح تسلیم نہیں کرتے ہیں وہ یہ ہیں :ـــــــ

۱ـــــــ بیمہ اور مضاربت میں کئی بنیادی فرق موجود ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً مضاربت میں شرط صحت بالاجماع یہ تسلیم کی گئی ہے۔ کہ اس میں منافع کی تقسیم نسبت کی بنیاد پر ہو اور مضارب و رب المال میں سے کسی ایک کو معیّن منافع نہیں ملے گا۔ بلکہ اسکا اشتراط عقد مضاربت کے لئے مفسد قرار دیا گیا ہے۔ بخلاف بیمہ کے کہ اس میں سرمایہ کار کو معیّن منافع (مثلاً دس فیصد) سالانہ ملا کرتا ہے۔ اور نسبت کی بنیاد پر منافع کی تقسیم نہیں ہوتی ہے۔ یعنی اس میں مضاربت کی طرح یہ نہیں ہوتا ہے۔ کہ منافع میں سے نصف حصہ یا ثلث یا ربع وغیرہ کسی ایک فریق کو ملے گا۔ اور باقیماندہ منافع دوسرے فریق کو ملے گا۔ اس فرق کو سامنے رکھ کر اصول اجتہاد اور قوانین قیاس اس بات کے متقاضی ہیں کہ بیمہ کو مضاربت پر قیاس کرکے دونوں کا حکم ایک نہ قرار دیا جائے۔

۲ـــــــ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیمہ اور مضاربت میں ایک دوسرا فرق بھی ایسا پایا جاتا ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ

مضاربت میں اگر نقصان واقع ہو تو سرمایہ کار (رب المال) کو وہ نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اور بیمہ میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی ہے۔ یہاں سرمایہ کار کو منافع ہی منافع ملتا ہے۔ اور نقصان سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ کمپنی کو اگر کوئی نقصان پیش آجائے تو کمپنی ہی اس کی ذمہ دار ہو گی۔ بیمہ دار شخص پر اسکی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے۔

۳۔ پھر اس پر مزید یہ کہ مضاربت میں اگر سرمایہ کار کا انتقال ہو جائے تو وارثین کو صرف اتنا ہی سرمایہ مل سکتا ہے۔ جتنا کہ ان کے مورث نے مضارب کے سپرد کیا تھا۔ اور اس سے زائد رقم ہرگز انہیں نہیں مل سکتی۔ برخلاف اس کے بیمہ میں اگر بیمہ دار شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کی موت کے بعد جس شخص کو زرِ بیمہ ملنے والا ہے وہ ایک بڑی رقم یعنی زرِ بیمہ کا حقدار قرار دیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا مخاطرہ ہے جس سے شارع علیہ السلام نے روکا ہے۔ کیونکہ سوائے اتفاقات کے اس کا کوئی اصول اور ضابطہ نہیں ہے۔ کیونکہ بعض اشخاص ایسے نکلیں گے کہ آج انہوں نے بیمہ کرایا اور کل ان کے کسی وارث نے اس خطیر رقم پر قبضہ کر لیا۔ اور بعض ایسے اشخاص ہوں گے۔ جو بیمہ کرانے کے ایک طویل مدت بعد اس رقم پر قبضہ کرنے کے حقدار ہوں گے ــــــ

۴ــــ اس کے علاوہ مضاربت میں اگر سرمایہ کار مر جائے تو مضارب کے پاس اسکی جو رقم ہے وہ تمام وارثین کے مابین شرعی قانونِ وراثت کے مطابق تقسیم ہو گی اس کے برخلاف بیمہ میں اگر بیمہ دار شخص کا انتقال ہو جائے تو زرِ بیمہ کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جو بیمہ دار نے نامزد کیا ہو۔ اور باقی وارثین اس میں اصلاً حقدار نہیں ہوتے ہیں۔ یہ ایک طرف ان پر عظیم ظلم ہے۔ اور دوسری طرف اس میں اسلام کے قانونِ وراثت کی صریح خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔ ان جوہری فروق کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربت پر قیاس کرنا قیاس باطل ہے۔ اور کوئی عالم اس کے جواز کا قائل نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جبکہ اس میں سود اور قمار بھی پائے جاتے ہیں جو قطعی طور پر حرام ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہم یہ مان بھی لیں۔ کہ اس میں بعض وجوہ ایسے ہیں جو اس کے جواز اور حلّت کے متقاضی ہیں۔ مگر اس سے بھی تو انکار ممکن نہیں ہے۔ کہ اس عقد میں ایسی بھی وجوہ پائی جاتی ہیں۔ جو اس کے عدم جواز اور حرمت کے متقاضی ہیں۔ جیسا کہ اوپر بالتفصیل بیان کی گئیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بموجب دع ما یریبک الی ما لا یریبک اس عقد سے اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

مال زکوٰۃ کے اقسام اور نصاب

از دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

سونا سونے کا نصاب سات تولے ساڑھے آٹھ ماشے سونا ہے۔ اگر کسی مرد یا عورت کے پاس سات تولے ساڑھے آٹھ ماشے سونا ہو۔ تو وہ نصاب کا مالک اور اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اس نصاب (سات تولے ساڑھے آٹھ ماشے سونے) سے زکوٰۃ ۲ ماشے ڈھائی رتی سونا دینا پڑے گا۔

سونے اور چاندی کے نصاب مقرر کرنے میں علماء کی تحقیقات اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر اس بارے میں حضرت العلامہ مفتی الہند مولانا محمد کفائت اللہ صاحب دہلوی کی تحقیق زیادہ قابلِ اعتماد معلوم ہوتی ہے۔ اس بناء پر دونوں کے نصاب کو ان ہی کی تحقیق کے مطابق لکھا جا رہا ہے۔ "تعلیم الاسلام" حصہ چہارم کے صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۵ میں ان کی تحقیق ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

چاندی چاندی کا نصاب حضرت مفتی صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق چھتّن تولے دو ماشے بھر وزن کی چاندی ہے۔ اس میں سے زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ (۱/۴۰) دینا فرض ہوتا ہے۔ پس چھتّن تولے دو ماشے میں زکوٰۃ ایک تولہ چار ماشے دو رتی چاندی ہوئی جو مرد عورت چاندی کے نصاب کا مالک ہو اس پر اسی مقدار سے زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

مسئلہ — اگر کسی کے پاس تھوڑی سی چاندی اور تھوڑا سا سونا ہو۔ مگر نصاب دونوں میں سے کسی کا پورا نہ ہو۔ تو اس صورت میں سونے کی قیمت چاندی سے یا چاندی کی قیمت سونے سے لگا کر دیکھا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے کسی کا نصاب پورا ہوتا ہے تو اس کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور دونوں میں سے اگر کسی کا نصاب پورا نہ ہو تو زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

مسئلہ — کسی مرد یا عورت کے پاس اگر صرف سونا ہو۔ مگر سونے کے نصاب سے کم

ہو یعنی ساڑھے باون تولے چاندی سات تولے ساڑھے آٹھ ماشے پورا نہ ہو۔ اور اس کی قیمت، چاندی کے نصاب کے برابر یا زیادہ ہو۔ تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس کے پاس چاندی کی کوئی اور چیز (روپیہ، زیور وغیرہ) نہ ہو۔

مسئلہ — سونے اور چاندی کی تمام چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہے۔ جیسے چاندی کا روپیہ یا سونے کی اشرفی یا برتن یا زیورات وغیرہ۔ اور اس میں نیت تجارت ضروری نہیں۔

مال تجارت

سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری قسم کے اموال جیسے جواہرات یا تانبے وغیرہ کے برتن یا دکانیں اور مکانات یا اور قسم کے سامان اگر تجارت کے لئے ہوں۔ تو اس میں زکوٰۃ فرض ہے۔ بشرطیکہ ان اموال کی قیمت شرعی نصاب کے برابر ہو۔ اور اگر تجارت کے لئے نہ ہوں۔ تو پھر ان اموال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ اگرچہ ان کی قیمت نصاب سے بھی زیادہ ہو۔

مسئلہ — کسی کے پاس اگر بقدر نصاب سرکاری نوٹ ہوں تو اس میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

زکوٰۃ کی شرطیں

کسی آدمی پر زکوٰۃ اس وقت فرض ہو جاتی ہے۔ جبکہ اس میں سات شرطیں پائی جائیں۔ اسلام۔ عقل۔ بلوغ۔ آزاد ہونا۔ نصاب کا مالک ہونا۔ نصاب کا حاجت اصلیہ اور قرض سے فارغ ہونا۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ اس پر سال بھر گذر جائے۔ اور سال کے اخیر میں نصاب پورا قائم ہو۔ ان شرطوں کے پیش نظر کافر۔ غلام مجنون۔ نابالغ اور ان لوگوں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، جو صاحب نصاب نہ ہوں۔ اسی طرح ان پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے جو صاحب نصاب تو ہوں مگر حوائج اصلیہ ضروریہ سے وہ نصاب فارغ نہ ہوں یا اگر اس سے قرض ادا کیا جائے تو نصاب بحال نہیں رہتا ہے۔

ان لوگوں پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں جو سال کے ابتداء میں ان کے پاس پورا نصاب ہو۔ مگر سال کے اخیر میں وہ نصاب پورا نہ رہا ہو۔ بلکہ اس میں کمی پائی گئی ہو۔

زکوٰۃ ادا کرنے کا صحیح طریقہ

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے۔ کہ مقدار زکوٰۃ کو بطور تملیک ایک مستحق اور مصرف زکوٰۃ کو دے دیا جائے۔ یعنی فقیر کو مقدار زکوٰۃ پر مالک بنا دیا جائے۔ خدمت یا کام کی اجرت میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر مال زکوٰۃ سے فقراء کے لئے کوئی چیز خرید کر ان پر تقسیم کی جائے تو یہ جائز ہے۔

مسئلہ ـــــ سال بھر گذر جانے کے بعد زکوٰۃ کو متصل ادا کرنا چاہیے۔ دیر لگانا اچھا نہیں ہے۔ اور سال بھر گذر جانے سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

نیت زکوٰۃ دیتے وقت یا کم سے کم مال زکوٰۃ نکال کر علیحدہ رکھتے وقت یہ نیت کرنا ضروری ہے۔ کہ یہ مال میں زکوٰۃ میں دیتا ہوں۔ یا زکوٰۃ کے لئے علیحدہ کرتا ہوں۔ اگر خیال زکوٰۃ کے بغیر کسی کو روپیہ دے دیا جائے اور دینے کے بعد اس کو زکوٰۃ کے حساب میں لگایا جائے۔ تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ـــــ

مسئلہ ـــــ جس کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ اسے یہ بتا دینا کہ یہ مال زکوٰۃ ہے۔ کوئی ضروری نہیں ہے۔ دینے والے کی نیت کافی ہے۔

مسئلہ ـــــ جس قسم کے مال میں مقدار زکوٰۃ واجب ہو، تو زکوٰۃ دینے والے کو یہ اختیار ہے کہ عین وہی مال زکوٰۃ دے۔ یا اس کی پوری قیمت ادا کرے یا قیمت سے کپڑا یا غلّہ خرید کر فقیروں کو دیا جائے۔ یہ سب جائز ہیں۔

قرضداروں کو زکوٰۃ دینا کسی شخص نے اگر قرضدار کو زکوٰۃ میں اپنا قرض چھوڑ دیا۔ بغیر اس کے کہ اس سے کچھ لیا یا اسے کچھ دیا۔ تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اس کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے۔ کہ اگر وہ قرضدار محتاج اور فقیر ہو۔ تو اس کو نقد مال زکوٰۃ، زکوٰۃ کی نیّت سے دیکر جب وہ اس پر قابض ہو جائے تو پھر اس سے یہ مال اپنے قرضے میں لے۔ یا قرضدار کسی سے مال لے کر زکوٰۃ دینے والے کو اس کے قرضے میں دیدے۔ پھر زکوٰۃ دینے والا اس مال کو بہ نیت زکوٰۃ اس قرضدار کو واپس دیدے۔ اس طریقہ سے زکوٰۃ بھی ہو جائے گی۔ اور قرض سے اس کا ذمہ بھی فارغ ہو جائے گا ـــــ

بھیڑ بکریاں مال کی چوتھی قسم جس میں زکوٰۃ فرض ہے۔ بھیڑ، بکریاں ہیں۔ یہ بھیڑ بکریاں سال بھر یا سال کے اکثر حصے میں شہر سے باہر چراگاہوں میں جب چرنے ہی سے گذارہ کرتی رہتی ہیں۔ تو ان میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ ان کا نصاب اور مقدار زکوٰۃ دونوں درج ذیل ہیں: ـــــ

چالیس سے جب بھیڑ بکریاں کم ہوں۔ تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ اور چالیس سے لیکر ایک سو بیس (۱۲۰) تک ایک بکری یا ایک دنبہ دینا پڑے گا۔ پھر ایک سو اکیس (۱۲۱) سے لے کر پورے دو سو تک، دو بکریاں یا دنبے دینے پڑیں گے۔ پھر دو سو ایک سے لیکر چار سو تک۔

تین بکریاں دینی پڑیں گی۔ جب پورا چار سو ہو جائیں تو چار بکریاں دی جائیں گی۔ اس کے بعد پھر ہر سو میں ایک بکری دی جائے۔ اس طرح فرض زکوٰۃ ادا ہو گا۔

زکوٰۃ میں وہ بکری یا دُنبہ دیا جائے جو اعلیٰ بھی نہ ہو اور ادنیٰ بھی نہ ہو۔ بلکہ اوسط درجے کا ہو۔ نیز اس کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔

مسئلہ:۔ اگر مویشیوں میں اعلیٰ اور ادنےٰ تو ہوں مگر اوسط نہ ہو تو زکوٰۃ میں یا اعلیٰ دیا جائے اور اوسط کی قیمت سے جو اعلیٰ میں زیادتی پائی جاتی ہے وہ زکوٰۃ وصول کرنے والے سے واپس لے لیا جائے۔ یا ادنیٰ زکوٰۃ میں دیا جائے اور اس کے ساتھ وہ کمی بھی پوری کی جائے جو اوسط کی قیمت سے اس ادنیٰ میں پائی جاتی ہے۔

فرض کیجئے کہ متوسط کی قیمت دس روپے ہے اور اعلیٰ کی قیمت پندرہ روپے ہے تو جب یہ اعلیٰ دے گا تو پانچ روپے اس سے واپس لے گا۔

اسی طرح فرض کیجئے کہ ادنیٰ کی قیمت جو اس نے زکوٰۃ میں دی ہے دس روپے ہے۔ اور اوسط کی قیمت پندرہ روپے ہے۔ تو جب یہ ادنیٰ دے گا تو پانچ روپے اور بھی اس کے ساتھ دے گا۔

مسئلہ:۔ بھیڑ، بکریوں اور اسی طرح گائے بھینسوں کے چھوٹے چھوٹے بچے نصاب میں شمار نہیں ہیں، جب کہ ان کے ساتھ بڑے نہ ہوں۔ یعنی صرف مویشیوں کے بچوں پر زکوٰۃ دینا فرض نہیں چاہے وہ بقدرِ نصاب ہوں۔ اور چھوٹے بڑے مل کر بقدرِ نصاب ہوں تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ اور چھوٹوں سے نصاب اس صورت میں پورا کیا جا سکتا ہے مگر زکوٰۃ میں چھوٹے بچے جن کی عمر سال کے برابر نہ ہو نہیں دئے جا سکتے۔

گائے بھینس مال کی پانچویں قسم جس میں زکوٰۃ فرض ہے۔ گائے اور بھینس ہے۔ یہ بھی جب شہر سے باہر چراگاہوں میں جب سال بھر یا سال کے اکثری حصے میں چرنے سے گذارہ کرتے ہیں، تو ان میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ ان کا نصاب اور مقدارِ زکوٰۃ دونوں درج ذیل ہیں:۔

گائے بھینس جب تیس ۳۰ سے کم ہوں تو زکوٰۃ ان میں نہیں ہے۔ اور جب پورے تیس ۳۰ ہو جائیں۔ تو ایک سالہ بچہ خواہ نر ہو یا مادہ زکوٰۃ میں دیا جائے گا۔ اور جس وقت چالیس ۴۰ کو پہنچ جائیں تو دو سالہ بچہ دینا فرض ہے۔ جب ساٹھ پورے ہو جائیں تو پھر دو عدد ایک سالہ

بچے دیئے جائیں۔ اس کے بعد زکوٰۃ اس طریقہ سے ادا کی جائے گی کہ ہر تیس میں سے ایک سالہ بچہ اور ہر چالیس میں سے دو سالہ بچہ فرض زکوٰۃ ادا ہو گا۔

مصارف زکوٰۃ کا بیان

جس کو زکوٰۃ دی جاتی ہے اُسے مصرف بھی کہا جاتا ہے۔ اور مستحق زکوٰۃ بھی۔ یہاں مصارف زکوٰۃ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اس زمانے میں زکوٰۃ کے مصارف درج ذیل ہیں :-

۱۔ فقیر ـــ جس کے پاس تھوڑا سا مال اور سامان موجود ہو مگر نصاب کے برابر نہ ہو۔

۲۔ مسکین ـــ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

۳۔ قرضدار ـــ جس کے ذمہ لوگوں کے قرضے ہوں اور قرض سے بچا ہوا مال اس کے پاس بقدر نصاب نہ ہو۔

۴۔ مسافر ـــ جو سفر کی حالت میں تنگدست اور محتاج ہو گیا ہو۔ اس کو بقدر اس کی حاجت کے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

مسئلہ ـــ اسلامی مدارس میں جو طلبہ علم دین حاصل کرتے ہیں۔ انہیں بھی زکوٰۃ دینا جائز بلکہ افضل ہے۔ دینی مدارس کے منتظمین و مہتمین کو جب زکوٰۃ اس لئے دی جائے کہ دین کے طالب علموں پر خرچ کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ فی زمانہ بہت بہتر اور افضل ہے ـــ ـــ فقہا نے لکھا ہے۔ کہ مصارف زکوٰۃ میں بہترین مصرف دین کے طالب علم ہیں۔

مسئلہ ـــ جن لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے وہ یہ ہیں۔ ۱۔ مالدار جس پر خود زکوٰۃ دینا فرض ہو۔ یا حاجت اصلیہ سے زائد اور کوئی مال اسکے پاس موجود ہو جس کی قیمت نصاب کے برابر ہو۔ خواہ کوئی سا مال ہو۔ ۲۔ سید اور بنی ہاشم۔ جو حضرت حارث بن عبد المطلب اور حضرت جعفرؓ حضرت عقیلؓ، حضرت عباسؓ، حضرت علی رضی اللہ عنہم کی اولاد ہے ۔۳۔ ماں۔ باپ۔ دادا۔ دادی۔ نانا۔ نانی۔ بیٹا۔ بیٹی۔ نواسا۔ نواسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ ۴۔ خاوند اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے خاوند کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ ۵۔ کافر کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی باقی نفلی صدقات دینے میں مضائقہ نہیں ہے۔ ۶۔ مالدار آدمی کی نابالغ اولاد کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ـــ اپنے مزدور یا خدمتگار کو اگر زکوٰۃ دی جائے اور خدمت یا کام کی اجرت میں یہ زکوٰۃ نہیں دی گئی ہو بلکہ بطور احسان دی گئی ہو تو اس میں مضائقہ نہیں۔ اگر وہ خادم یا مزدور صاحب نصاب ہو تو اس کو زکوٰۃ بطور احسان دینا بھی جائز نہیں ہے۔ ٭

مجاہد امت کیلئے دینی تعلیم کی اہمیت

مجلسِ شوریٰ کے سالانہ اجلاس میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ نے تفصیلی رپورٹ کے تمہیدی نوٹ میں جہاد اور دینی تعلیم و مدارس کی اہمیت پر روشنی ڈالی جسے یہاں پیش کیا جارہا ہے ——— ادارہ

معزز حضرات ! ایسے اندوہناک ماحول میں جبکہ مصائب و خطرات کے سیاہ بادل ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں اور ہمارے مقدس ملک کی سرحدات پر حق باطل سے برسرپیکار ہے۔ آپ حضرات کا یہاں ایک دینی، علمی ادارہ کے استحکام و ترقی پر غور و خوض کے لئے جمع ہونا جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے۔ دورانِ جہاد میں قرآن و حدیث کی اشاعت و حفاظت کے فرائض اور بھی مؤکد اور مستحکم ہو جاتے ہیں۔ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔ خداوند کریم کا ارشاد ہے کہ دورانِ جنگ میں بھی ایک طائفہ علم دین کی تحصیل میں مشغول رہے تاکہ جہاد میں مشغولیت کی وجہ سے دینی بقاء کے تسلسل میں فرق نہ آئے اور مجاہدین کی فتح و کامرانی کے بعد مفتوحہ ممالک میں مبلغینِ اسلام کے وفود علوم دینیہ اور احکامِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کے لئے پھیل جائیں اور اعلاء کلمۃ اللہ (جس کے لئے شہداء کرام کی جانیں قربان ہوگئی ہیں) کا فریضہ ادا ہو سکے۔ یہ حقیقت ہے کہ حقیقی اسلام کی بقاء سے پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کی ترقی و استحکام وابستہ ہے۔ بحمداللہ پاکستان میں مدارس دینیہ کی بدولت قرآن و حدیث کی صحیح ترجمانی ہو رہی ہے۔ اور اسلامی علوم کی نشر و اشاعت سے مسلمانانِ پاکستان میں روحِ اسلام موجود ہے اور اس اسلامی رشتہ ہی نے پاکستان کے مسلمانوں کو یک جان ہو کر باطل کے ظلم و استبداد کے سامنے سربکف ہو کر کھڑا کر دیا ہے۔ اور ملتِ پاکستانیہ نے پورے جوش و خروش سے کفر کو للکار کر اسے عبرتناک شکست دے دی ہے ——— پاکستان کے علاوہ اکثر دوسرے اسلامی ممالک علوم دینیہ سے ناآشنا اور بیگانہ ہوتی چلی جارہی ہیں۔ اس لئے کہ ان میں دینی درسگاہیں مفقود ہیں جس کا لازمی

نتیجہ یہ ہے کہ ان میں اسلامی رشتہ کا اتنا احساس باقی نہیں رہا۔ اور قومیت کا بت ان کا معبود بن گیا ہے۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن سے کوسوں دور ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں میں جب حقیقی اسلام، قرآن و حدیث کے علوم ناپید ہو جائیں تو وہاں نہ دین رہے گا۔ نہ اسلامی رشتہ اور نہ مذہب و ملت کی حفاظت کے لئے جہاد کرنے کا جذبہ ــــــ پیش شدہ حالات و خطرات سے ایک ہوشیار قوم پر یہ حقیقت آشکارا ہونی چاہئے کہ اگر پاکستان کا استحکام اور بقاء و حفاظت مطلوب و محبوب ہے تو ملک و ملت کو اسلامی اقدار و کردار۔ قرآنی تعلیمات و ارشادات۔ اور سنت نبوی کی روشنی سے معمور و منور کر دیا جائے۔ قرآن و سنت کی تعلیم و تربیت جتنی بھی عام ہو گی مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد، جذبہ جہاد اور بھی بڑھتا جائے گا۔ اور اسلامی روایات زندہ ہوتی جائیں گی۔ اور جب ملت پاکستانیہ اللہ تعالیٰ کی ایک تابعدار فرمانبردار امت بن جائے گی تو بھارت تو کیا سارے باطل نظام اور استعمار و استبداد کے سارے طاغوت اکٹھے ہو کر بھی پاکستان سے آنکھ تک نہ لڑا سکیں گے اسلام اور مسلمان غالب ہونے کے لئے ہے۔ کلمۂ حق زیر ہونے کے لئے نہیں بلکہ حق کے لئے ہمیشہ فتح اور کامرانی ہی مقدر ہے ــــــ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو دارالعلوم حقانیہ اور دیگر مدارس دینیہ کی اہمیت اور ضرورت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اسلام اور اسلامی اقدار اور قرآن و سنت کی تعلیمات کے لئے ہی ادارے ہیں جو دن رات ملت مسلمہ کے دینی۔ مذہبی، علمی، تبلیغی خدمات سرانجام دینے میں مصروف رہتی ہیں اور امت کی خشک رگوں کو قرآنی تعلیمات اور اسلامی روح سے شاداب و سرشار کر رہی ہیں۔ کوئی وقت ایسا نہیں گذرتا کہ علوم رسالت کے یہ مراکز علمی جہاد میں مصروف نہ ہوں۔

کرم فرمایان محترم! یہ حقیقت بھی آپ کی نگاہ سے مخفی نہیں کہ باطل سے مقابلہ نے اگر ایک طرف دینی علوم اور دینی اداروں کی اہمیت کا احساس ہمیں دلایا ہے تو دوسری طرف اہل خیر اور دست تعاون بڑھانے والے اہل درد مسلمانوں کو اقتصادی مشکلات اور نزاکتوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ جو لازمی طور پہ ایک دینی ادارہ کے مصارف پر اثر انداز ہوں گے۔ ایسے نازک حالات کا سامنا دینی علوم اور دینی ادارہ کے بند کرتے یا اس کے تعلیمی مشاغل کو محدود کرنے سے تو نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ نازک وقت ہمیں اور ہمارے مخلص سرپرستوں اور سراپا اخلاص اراکین کو زیادہ سے زیادہ توجہ، مستعدی اور جوش و خروش سے اس دینی مرکز اور دیگر دینی اداروں کی استحکام و ترقی کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت کا احساس دلا رہا ہے ــــــ

(مولانا سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام)

مجلس شوریٰ کا سالانہ جلسہ دار العلوم کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس (دوبارہ منظوری سالانہ میزانیہ) ۳ اکتوبر بروز اتوار کو دار الحدیث میں منعقد ہوا۔ جلسہ کی صدارت حضرت مولانا عبد الحنان صاحب ہزاروی (راولپنڈی) نے فرمائی۔ مولانا قاری محمد امین صاحب خطیب جامع مسجد ورکشاپی (راولپنڈی) کی تلاوت کلام پاک کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ نے دار العلوم کے مختلف شعبوں کی سالانہ کارگذاری اور حسابات آمد و خرچ پر مشتمل رپورٹ ارکان شوریٰ کے سامنے پیش کی اور سالِ گذشتہ کے میزانیہ کی تفصیلات اور اس کی روشنی میں سالِ رواں ۸۵ھ کیلئے ایک لاکھ اٹھارہ ہزار دو سو پچاسی روپے [۱۱۸۲۸۵] کا میزانیہ پیش کیا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ پچھلے سال ۸۴ھ میں دار العلوم کو مختلف مدّات سے ایک لاکھ پچیس ہزار سات سو اڑسٹھ روپے چوہتر پیسے [۱۲۵۷۶۸/۷۴] کی آمدنی ہوئی۔ اور بانوے ہزار دو سو روپے نوّے پیسے [۹۲۲۰۰/۹۰] تعلیمی شعبہ اور چھبیس ہزار تین سو بانوے روپے بیالیس پیسے [۲۶۳۹۲/۴۲] تعمیری شعبہ (فرش مسجد۔ دار الاقامۃ۔ دار المدرسین وغیرہ) پر خرچ ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ۳۰ ذی الحجہ ۸۴ھ کو دار العلوم کی تحویل میں موجودہ رقم کی رو سے منظور شدہ نئے بجٹ میں تنتالیس ہزار دو سو انتیس روپے ننانوے پیسے [۴۳۲۲۹/۹۹] کا خسارہ رہے گا۔ (حضرت شیخ الحدیث نے بجٹ کی ایک ایک مد کے اخراجات کی کمی و بیشی واضح کی اور تفصیلی حسابات کو پیش کیا۔) تعلیمی شعبہ کی کارگذاری پیش کرتے ہوئے حضرت مہتمم صاحب نے واضح کیا کہ پچھلے سال شعبہ پرائمری مدرسہ تعلیم القرآن میں پانچویں کلاس کا اضافہ کیا گیا اور آئندہ انشاء اللہ ہر سال اس میں ایک جماعت کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ تاکہ قوم کے بچے ہائی تک عصری تعلیم کے ساتھ کافی حد تک دینی علوم سے آراستہ ہو سکیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس شعبہ کی چار کلاسیں جو چھ سیکشنوں پر مشتمل ہیں نئی عمارت میں منتقل ہو چکی ہیں۔ اور بقیہ دو کلاسیں اوّل و ادنیٰ

کے لئے نئی عمارت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے مستقل عمارت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ شعبۂ عربی دارالعلوم میں ۳۸۹ طلبہ داخل ہوئے اور ۲۶۹ سالانہ امتحانات میں شریک ہوئے جن میں ستر طلبہ نے وفاق المدارس کی زیرِ نگرانی سالانہ امتحانات دیکر مجموعی لحاظ سے شاندار کامیابی حاصل کی۔ اس کے علاوہ شعبۂ قرأت وار دو خط وکتابت میں بھی کافی طلبہ شریک ہوئے۔ آئندہ ضروریات اور منصوبوں پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا اس وقت مسجد اور دارالاقامۃ کی تکمیل اور مدرسہ تعلیم القرآن کی عمارت میں توسیع وغیرہ کی اہم ضروریات درپیش ہیں جن پر لاکھوں روپے لاگت کا تخمینہ ہے جس کے لیے حضرت مہتمم صاحب نے اراکین اور دیگر معاونین کی توجہ دلائی۔ بجٹ پیش ہونے کے بعد اراکین نے حسابات آمد وخرچ اور دارالعلوم کے مختلف شعبوں کی رفتار ترقی پر مسرت واطمینان کا اظہار کیا۔ غور وخوض کے بعد اور اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر بامید آمدنی نئے میزانیہ کی منظوری دی۔ حضرت مہتمم صاحب نے بجٹ کے آخر میں دارالعلوم سے علمی مجلہ ماہنامہ "الحق" کے اجرا کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی۔ مجلسِ شوریٰ نے اجراء رسالہ کا گرمجوشی سے خیر مقدم کرتے ہوئے اس کی منظوری دی۔ اس کے علاوہ ملک کے ہنگامی حالات کی وجہ سے مجلس شوریٰ نے دارالعلوم کے اجلاسِ دستار بندی جس کے لئے ۲۳-۲۴ اکتوبر کی تاریخیں مقرر کی گئی تھیں کے التوا کا فیصلہ کیا۔ مجلسِ شوریٰ نے پاکستان کی مجاہد افواج اور اولوالعزم مجاہدین کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا اور ملک وملت کی راہ میں قربانی دینے والے شہداء کے لئے دعائے مغفرت کی ——— مجلس شوریٰ میں شمولیت کرنے والے حضرات کے نام یہ ہیں ———

۱۔ مولانا عبدالحنان ہزاروی راولپنڈی	۹۔ جناب خان محمد اسلم خان - آدم زئی
۲۔ مولانا مسرت شاہ۔ کاکاخیل	۱۰۔ جناب الحاج عطا محمد خان صاحب۔ پشاور صدر
۳۔ مولانا عبدالحنان - جہانگیرہ	۱۱۔ جناب الحاج میاں مراد گل۔ کاکاخیل
۴۔ مولانا قاری محمد امین - راولپنڈی	۱۲۔ جناب میاں میر احمد گل صاحب چشتی
۵۔ الحاج میاں محمد اکرم شاہ۔ کاکاخیل	۱۳۔ جناب غورشت محمد خان صاحب - آدم زئی
۶۔ الحاج میاں غلام سرور شاہ۔ کاکاخیل	۱۴۔ جناب الحاج عبدالعزیز صاحب رائل ہوٹل۔ مردان
۷۔ جناب شیر افضل خان صاحب - بدرشی	۱۵۔ مولانا حکیم جمیل احمد صاحب - مردان
۸۔ جناب الحاج محمد اعظم خان - اکوڑہ	۱۶۔ جناب سید یعقوب شاہ بادشاہ - مردان

۱۷۔ جناب الحاج سیف الرحمان۔ جہانگیرہ
۱۸۔ جناب الحاج ڈاکٹر صاحب شاہ۔ تورڈھیر
۱۹۔ جناب مستقر صاحب۔ پبی
۲۰۔ مولانا مصطفیٰ۔ مانکی
۲۱۔ جناب مولانا شاہ سید۔ زڑہ میانہ
۲۲۔ جناب سیکرٹری ٹاؤن کمیٹی۔ اکوڑہ
۲۳۔ جناب حکیم رفیع الدین۔ نوشہرہ
۲۴۔ مقامی مجلس منتظمہ

نقشہ تفاوت تخمینی اور واقعی مصارف بابت سال ۱۳۸۴ھ

مدات	منظور شدہ میزانیہ		واقعی مصارف		کمی		بیشی	
مطبخ	-	۳۰۲۴۰	۹۵	۳۲۳۵۰	-	-	۹۵	۲۱۱۰
کتب	-	۱۰۰۰	۵۴	۱۲۳۱	-	-	۵۴	۲۳۱
سٹیشنری	-	۳۰۰	۶۱	۲۵۲	۳۹	۴۷	-	-
ڈاک	-	۱۳۰۰	۴۴	۱۱۲۳	۵۶	۱۷۶	-	-
امتحانات	-	۱۳۰	۱۸	۱۳۲	-	-	۱۸	۲
تنخواہ معہ الاؤنس	-	۳۳۶۰۰	۶۲	۳۴۰۰۷	-	-	۶۲	۴۰۷
کرایہ مکانات	-	۹۰۰	۳۰	۸۵۷	۷۰	۴۲	-	-
نقد امداد طلبہ	-	۴۰۰	۴۰	۱۵۲	۶۰	۲۴۷	-	-
تبلیغ	-	-	۴۴	۲۰۵	-	-	۴۴	۲۰۵
صابون	-	۵۰۰	۵۰	۳۳	۵۰	۴۶۶	-	-
روشنی و فلنگ	-	۱۶۵۰	۵۲	۱۶۷۵	-	-	۵۲	۲۵
اشاعت	-	۸۵۰	۰۸	۸۵۴	-	-	۰۸	۴
سفارت	-	۱۰۵۰۰	۴۹	۹۵۳۲	۵۱	۹۶۷	-	-
تعلیم القرآن	-	۷۰۰۰	۱۷	۷۱۷۱	-	-	۱۷	۱۷۱
سامان	-	۱۵۰۰	۳۱	۱۱۹۱	۶۹	۳۰۸	-	-
متفرق	-	۱۸۰	۴۴	۱۱۶	۲۶	۶۳	-	-
مرمت واٹر پمپ نمبر ۱	-	۱۲۵	۴۴	۱۲۸	-	-	۴۴	۳
فلنگ واٹر پمپ نمبر ۲	-	۳۰۰	۹۴	۲۵۱	۰۶	۴۸	-	-
باغیچہ	-	۱۴۵	۲۸	۲۹۵	-	-	۲۸	۱۵۰
تعمیر ہاسٹل	-	۷۰۰۰	۸۰	۱۹۰۴	۲۰	۵۰۹۵	-	-
تعمیر مسجد	-	۱۵۰۰۰	۳۳	۱۸۵۷۱	-	-	۳۳	۳۵۷۱
تعمیر تعلیم القرآن	-	۵۰۰۰	۹۸	۴۹۰۰	۰۲	۹۹	-	-
مرمت درس گاہ	-	-	۷۰	۴۲۰	-	-	۷۰	۴۲۰
تعمیر عمومی	-	-	۴۶	۵۳	-	-	۴۶	۵۳
تعمیر دار المدرسین	-	-	۱۵	۵۴۱	-	-	۱۵	۵۴۱
بنک کمیشن	-	-	۵۰	۲	-	-	۵۰	۲
سالانہ جلسہ	-	۸۰۰۰	-	-	-	۸۰۰۰	-	-
آڈٹ	-	۱۵۵	-	۱۵۵	-	-	-	-
فیس وفاق	-	۳۸۵	۱۲	۳۸۵	-	-	۱۲	-
مرمت لاؤڈ سپیکر	-	۵۰	۱۸	۵۸	-	-	۱۸	۸
	-	۱۲۶۲۱۰	۰۷	۱۱۸۵۵۷	۵۹	۱۵۵۶۲	۶۶	۷۹۰۹
سال گذشتہ کا بقایا بل کتب فروش	-	-	۲۵	۳۶	-	-	۲۵	۳۶
	-	۱۲۶۲۱۰	۳۲	۱۱۸۵۹۳	۵۹	۱۵۵۶۲	۹۱	۷۹۴۵

نقشہ ذرائع آمدنی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک بابت سال ١٣٨٤ھ

ذرائع آمدنی	رقم		
	روپے	پیسے	
مقامی وبیرونی اراکین دارالعلوم	٣٧٣٣٩	٥٦	
سفراء	٤٠١١٠	٤٦	
فضلاء	١٤٨١	٠٩	
باغیچہ سے برآمدہ سبزی کی قیمت	١٩٦	٩٣	
کرایہ جات لاؤڈسپیکر	١٠٤	-	
قربانی کی کھالوں کی قیمت	١١٣٢	٦٩	
فیس سند	٢٧١	٢٤	شعبۂ عربی وتعلیم القرآن
مقامی ٹاؤن کمیٹی	٧١٤٢	٦٣	برائے خرچہ شعبہ تعلیم القرآن
منافع حصص پہ پیپر شوگر ملز مردان	٥٠	-	
معاوضات	١١٩١	١٨	اجناس فروخت شدہ کی قیمت
بوساطت مہتمم دارالعلوم حقانیہ (بذریعہ ڈاک یا خود)	٣٦٧٤٨	٩٦	
میزان	١٢٥٧٤٨	٤٢	

حضرت مہتمم صاحب کا سفر ملتان

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ بروز جمعہ ٨ اکتوبر ملتان تشریف لے گئے جہاں آپ نے بروز ہفتہ وفاق المدارس العربیہ کی مجلس عاملہ اور بروز اتوار مجلس شوریٰ کے جلسوں میں شمولیت کی اور ١١ اکتوبر کو واپس تشریف لائے۔ ان جلسوں میں ملک بھر کے مدارس عربیہ کے ممتاز علماء نے شمولیت کی۔ مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کی مجالس میں مدارس عربیہ کی تنظیم وفاق المدارس کے استحکام اور اسے مزید جاندار اور منظم بنانے کیلئے مفید تجاویز زیر غور لائی گئیں۔ اور مدارس عربیہ کا تعلیمی وانتظامی معیار اور طلبہ کی علمی صلاحیت واستعداد بڑھانے کے بارے میں غور وخوض کیا گیا۔ نیز آئندہ تین سال کے لئے وفاق المدارس کے لئے حسب ذیل عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ —— ١۔ صدر۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہٗ۔ خیر المدارس ملتان —— ٢۔ نائب صدر۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ۔ دارالعلوم حقانیہ۔ ٣۔ نائب صدر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہٗ نیو ٹاؤن کراچی۔ ٤۔ جنرل سیکرٹری۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قاسم العلوم ملتان۔ ٥۔ ناظم۔ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب۔ منٹگمری۔